ہماری عظیم تہذیب

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

ہماری عظیم تہذیب

(اسلامی تہذیب کی بصیرت افروز داستان۔
جس کا مطالعہ ایف اے۔ بی اے اور ایم اے
کے طلباے اسلامیات کے لیے خصوصاً مفید
ثابت ہوگا۔)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

طابع: شیخ نیاز احمد
مطبع: غلام علی پرنٹرز، اشرفیہ پارک، فیروز پور روڈ، لاہور

SGAS

مقام اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ پبلشرز
199۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور۔54000
فون: 37352908(042)
کراچی فون: 32722784 (021)

اِدارۂ معارفِ اِسلامیہ
کیمبلپور
(۱۲)

۱- بانی : سید خالد محمود - ام اے - سی ایس پی -

۲- سرپرست : سردار منظور احمد خان انصاری چیئرمین - ڈسٹرکٹ کونسل - (ڈپٹی کمشنر) - کیمبلپور

۳- صدر : لفٹیننٹ کمانڈر - پروفیسر ظہور احمد - ام اے - پی ای ایس (ر) پرنسپل - گورنمنٹ کالج - کیمبلپور

۴- ارکان :

۱ : علامہ پروفیسر زاہد الحسینی
۲ : ملک محمد اسلم خان وائس چیئرمین - ڈسٹرکٹ کونسل - اٹک -
۳ : ملک نور محمد خان - چیف آفیسر ڈسٹرکٹ کونسل -
۴ : پروفیسر محمد مسعود ام اے -
۵ : پروفیسر سعد اللہ خان کلیم ام اے -
۶ : غلام جیلانی برق -

(نوٹ) یہ اِدارہ ڈسٹرکٹ کونسل کیمبلپور کی کرم فرمائی و نوازش سے چل رہا ہے۔

مصنّف کی دیگر تصانیف

۱ : دو قرآن
۲ : حکمائے عالم
۳ : دو اسلام
۴ : امام ابنِ تیمیہ - انگریزی
۵ : امام ابنِ تیمیہ - اردو
۶ : آئینِ فطرت
۷ : لمعاتِ برق
۸ : ایک اسلام
۹ : جہانِ نو
۱۰ : پیامِ ادب
۱۱ : انفعال
۱۲ : گلہائے ایران
۱۳ : حیاتِ سکندر
۱۴ : ہم اور ہمارے اسلاف
۱۵ : فرماں روایانِ اسلام
۱۶ : حرفِ محرمانہ
۱۷ : اللہ کی عادت
۱۸ : بھائی - بھائی
۱۹ : من کی دنیا
۲۰ : یورپ پر اسلام کے احسان
۲۱ : دانشِ رومی و سعدی
۲۲ : اسلام اور عصرِ رواں
۲۳ : مسائلِ نو
۲۴ : دانشِ عرب و عجم
۲۵ : فلسفیانِ اسلام
۲۶ : مورّخینِ اسلام
۲۷ : رمزِ ایمان
۲۸ : کئی سو مقالات و مضامین
۲۹ : دائرۂ معارفِ اسلامیہ - پنجاب یونیورسٹی - کے لیے ۱۱ مقالات کا ترجمہ

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

فکرِ مغرب کی یلغار سے نسلِ نو کے تصورات اس حد تک مسخ ہو چکے ہیں۔ کہ اسے خیر و شر کی تمیز ہی نہیں رہی۔ آپ نے اخبارات میں بارہا پڑھا ہو گا۔ کہ مصریوں کا طبقۂ نو تہذیب فرعون کو اُچھال رہا ہے۔ اور وہاں کئی ہوٹل، پارک اور دیگر ادارے رامسس (ایک فرعون) کی طرف منسوب ہیں۔

چند ماہ پہلے "نوائے وقت" کے نامہ نگار "اقبال سہیل" نے لبنان سے اطلاع دی تھی۔ کہ وہاں کے نوجوانوں نے ابوجہل — اکاڈمی کی بنا ڈال دی ہے۔ جس کا مقصد اسلام کو ختم کرنا ہے۔ یہ بھی سُنا تھا۔ کہ ترکوں کا ایک طبقہ تہذیبِ چنگیز کا پرستار ہے۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے سندھ سے کسی نے یہ نعرہ بلند کیا تھا۔ کہ ہمارا ہیرو راجہ داہر ہے، نہ کہ محمد بن قاسم، اور یہ آواز وہاں سے بدستور اُٹھ رہی ہے۔

ہمارے ہاں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو گندھارا اور موہنجو دارو کی تہذیب پہ نازاں ہیں۔ اور یہ نہیں سوچتے۔ کہ ان فنا شدہ تہذیبوں کے پاس بُت پرستی۔ ابتدائی سنگ تراشی۔ بھدی سی نقاشی۔ اور بدہیئت اوزاروں اور برتنوں کے سوا اور تھا ہی کیا؟

رہا فرعون۔ تو اُس کی داستانہائے جور و ستم سے اوراقِ تاریخ لبریز ہیں۔

ابوجہل نے صرف جہالت ۔ ہٹ دھرمی اور ہدایت دشمنی میں شہرت حاصل کی تھی۔

چنگیز کا کام شہروں کو ڈھانا ۔ کتابوں کو جلانا اور علماء کو مارنا تھا۔ واہر دیگر راجگان ہند کی طرح محض ایک عیاش و بدمست والی تھا۔ انھیں کیا خبر۔ کہ تہذیب کس جانور کا نام ہے۔

اگر تہذیب نام ہے خون کے دریا بہانے ، کتابیں پھاڑنے ، غریب عوام کے مال پر عیش اڑانے اور مزدوروں کو پنجالی میں جوت کر چٹائیں کٹوانے کا۔ تو پھر فرعون ۔ چنگیز اور داہر واقعی تہذیب کے امام تھے۔ اور اگر تہذیب کا مفہوم کچھ اور ہے۔ تو پھر ان خونخوار بھیڑیوں کو اپنا ہیرو قرار دینا چہ معنی ؟

اسلام ایک ایسے زمانے میں اُبھرا ۔ جب بحرالکاہل سے اوقیانوس تک ایک چراغ بھی کہیں فروزاں نہ تھا۔ اور ایسے خطّے سے اُبھرا۔ جو جہالت ۔ بربریت اور بدکاری میں ضربُ المَثَل تھا۔ یہ مشرق و مغرب کی طرف ابرِ بہار بن کر بڑھا ۔ اور ہر نشیب و فراز کو سیراب کرتا گیا۔ یہ ایک کارواں تھا۔ جس کی قیادت صدیقؓ و علیؓ جیسے مقدسین کر رہے تھے ۔ جُوں جُوں یہ آگے بڑھتا گیا ۔ لوگ فوج در فوج اِس میں شامل ہوتے گئے۔ اِس کے ساتھ مالک و ابنِ حنبل جیسے محدّثین ۔ ابنِ اثیر و طبری جیسے مورخین۔ سینا و فارابی جیسے فلسفی ۔ خوارزمی و بتّانی جیسے منجّم ۔ کندی و ابن ہَیثم جیسے مُہندِس ۔ اور رُومیؒ و سعدیؒ جیسے شاعر تھے۔ یہ کارواں دہلی سے غرناطہ تک چھا گیا ۔ اور ایک ہزار سال تک کائنات میں علم و عرفاں تقسیم کرتا رہا ۔ اِس کے پاس دو چیزیں تھیں ۔ علم اور عشق ۔ غزالی و رازی علم بانٹ رہے تھے اور جنید و بایزید عشق تقسیم کر رہے تھے۔ اِنہی دو توانائیوں سے جہانِ کہن کو

حیاتِ نو ملی۔ اور انہی دو عناصر سے ایک حسین تہذیب تیار ہوئی......

ہماری تابدار و عظیم تہذیب

باقی تفاصیل اگلے اوراق میں دیکھیے۔

برق

کیمبلپور ۷۔ جولائی ۱۹۷۰ء

آغازِ تحریر : ۱۸ را پریل ۱۹۷۰ء
تکمیل : ۷ ر جولائی ۱۹۷۰ء

تہذیب کیا ہے ؟

ہمارے ہاں تہذیب کے لیے کئی الفاظ مُروّج ہیں۔ مثلاً :- ثقافت۔ تمدّن۔ تہذیب اور کلچر۔

- سوال یہ ہے۔ کہ کیا یہ الفاظ ہم معنی ہیں ؟ علماء نے اِس سوال کے مُختلف جواب دیے ہیں۔ کسی نے تمام الفاظ کو ہم معنی قرار دیا ہے۔ کسی نے تہذیب کو عام اور باقی الفاظ کو خاص بتایا ہے۔ اور کسی نے کلچر کو عام قرار دیا ہے۔

میری رائے یہ ہے۔ کہ اِن الفاظ کا مفہوم ہر زمانے میں مُختلف رہا۔ اور آج کل یہ ہے :-

۱ : ثقافت

یہ عربی زبان کا مصدر ہے۔ باب ہے :-

ثَقِفَ یا ثَقُفَ یا ثَقَفَ

ثَقْفاً و ثَقَفاً و ثَقافةً

زیرک۔ دانا اور ہوشیار ہونا

ثَقَفَهُ : وُہ اُس سے دانش میں بڑھ گیا۔

ثَقِفَ الکلامَ : وُہ بات کو فوراً سمجھ گیا۔

ثَقَّفَ الرُّمحَ : اُس نے نیزے کو سیدھا کیا۔

ثَقِیف : دانا۔ زیرک۔

اِن لغوی معانی ہی سے اس کا مفہوم متعین ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص علم کے بغیر دانش حاصل نہیں کر سکتا۔ پس دُنیا کے تمام علوم و فنون ثقافت کے تحت آتے ہیں) گزشتہ دس پندرہ برس سے رقص و سرُود کو بھی ثقافت کا نام دیا جا رہا ہے۔ اِس لفظ کا یہ اِستعمال سرُود کے لیے تو جُزوًا درست ہے۔ کہ جو چیز گائی جاتی ہے۔ وُہ عموماً علمی ہوتی ہے۔ لیکن ایک حسینہ کے جذبات انگیز رقص کو ثقافت کا نام دینا صحیح نہیں۔ ثقافت دانش کو کہتے ہیں اور ایک نامحرم حسینہ کو نچانا اِسلامی نقطۂ نگاہ سے دانش نہیں بلکہ حماقت ہے۔

۲ : تمدُّن

یہ بھی عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا مفہُوم ہے شہر میں آباد ہونا۔

مَدَنَ بِالمکان : وُہ مکان میں آباد ہو گیا۔

مَدَنَ المدینۃ : وُہ شہر میں آباد ہو گیا۔

مَدَّنَ المدائن : اُس نے شہر بنائے اور بسائے۔

تَمَدَّنَ : اُس نے شہریوں کے طریقے اختیار کر لیے۔ اور گنوارپن چھوڑ دیا۔

سیّد علی بلگرامی "تمدّنِ عرب" میں اِس لفظ کو تہذیب کا مترادف قرار دیتے ہیں۔ لیکن میرے ہاں یہ تہذیب کے اُس پہلُو کا نام ہے۔ جس کا تعلق عمارات۔ باغات، انہار اور شاہراہوں سے ہو۔ ہماری حسین عمارات اور چمکیلی شاہراہیں، ہمارا تمدّن ہیں۔ اِس لفظ کا دائرہ ہم فرنیچر۔ لباس اور ظرُوف تک بھی وسیع کر سکتے ہیں۔ لیکن علم و دانش کو تمدُّن نہیں کہہ سکتے۔

۳ : کلچر

یہ انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لفظی معنی ہیں :-
ہل چلانا۔ پالنا۔ تربیت دینا اور قوائے ذہنی کو چمکانا۔ (تعلیم۔ مطالعہ اور مشاہدہ سے)۔ کسی کھیت میں ہل چلا کر اُسے نرم کرنا۔ کھاد ڈالنا، بے کار بوٹیوں کو اکھیڑنا اور اُسے پانی دینا ایگری کلچر کہلاتا ہے۔

ایگری : زمین۔ کھیت اور

کلچر : زمین کو کاشت کے لیے تیار کرنا ہے۔

تہذیب دل سے جنم لیتی ہے۔ دل کو ایک کھیت سمجھیے۔ جسے نرم کرنا۔ حسد۔ نفرت اور بخل وغیرہ کے خاردار پودے اکھیڑنا۔ اُس میں انسانی محبت اور دیگر جذباتِ صالحہ کا بیج بونا۔ قرآنی تعلیمات سے آبیاری کرنا اور شیطانی ترغیبات سے بچانا کلچر ہے۔

بعض لوگ کلچر اور تہذیب کو ہم معنی سمجھتے ہیں۔ مثلاً ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ اپنی کتاب ڈیفینیشن آف کلچر (ص ۱۲۰) میں لکھتا ہے :

"کلچر کیا ہے؟ یہ اُن لوگوں کا اندازِ زندگی ہے۔ جو کسی خاص مقام یا مُلک میں اکٹھے رہتے ہوں۔ یہ کلچر اُن کے آرٹس، رسوم و تقریبات۔ عادات اور مذہب میں نظر آتا ہے۔"

لیکن میرے نقطۂ نگاہ سے کلچر صرف ذہنی جلا۔ دانش اور اُس نقطۂ نگاہ کا نام ہے۔ جو علم۔ مطالعہ اور ایمان سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کا عملی اظہار تہذیب ہے۔ کلچر صرف ذہن کا عمل (MENTAL ACTIVITY) ہے؛

اور تہذیب ذہنی تصورات اور خارجی اعمال ہر دو کا مجموعہ۔ ثقافت۔ تمدن اور کلچر خاص ہیں۔ ثقافت کا تعلق علوم و فنون سے ہے۔ تمدن کا عمارات و باغات سے۔ کلچر کا دانش، ذہنی تصورات اور ایمانیات سے۔ اور تہذیب ایک عام چیز ہے ان تینوں پہ حاوی۔

• تہذیب و اقدار

ہر قوم کو چند اقدار بہت عزیز ہوتی ہیں اور وہ اُن کو بچانے کے لیے جان تک قربان کر دیتی ہے۔ اسلامی ممالک میں خواتین کی عصمت، مساجد و معابد کا احترام، والدین کی تعظیم اور عدل و احسان وہ قدریں ہیں، جو مسلمانوں کو بہت عزیز ہیں (اگر کسی قوم میں اس کی اساسی اقدار باقی نہ رہیں، تو وہ اپنی عزت کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ وہ دوسروں سے مرعوب ہو جاتی ہے، اور اُس کی تہذیب مٹ جاتی ہے۔

اسلام میں اقدار کا سرچشمۂ اوّل قرآنِ مقدس ہے۔ اور ان کا مقصد ہے :۔

الف : انفرادی و اجتماعی اُجلاپن۔
ب : عالمگیر اخوت۔
ج : خواہشات پہ ضبط
د : علم کے زور سے تسخیرِ کائنات۔
ہ : عشق سے تسخیرِ یزداں۔
و : تعمیر و تزئینِ عالم۔
ز : اقارب و احباب کے حقوق کی تعیین۔

ح : سُود ۔ قمار ۔ فحش کاری، گراں فروشی اور بادہ نوشی
جیسے قاطعِ محبت اعمال کا استیصال۔

زندگی میں تہذیب و مذہب یُوں ہم سفر ہیں۔ گویا تہذیب مذہب کی بیٹی ہے۔

یہ درست ہے کہ مذہب تہذیب کو حُسن عطا کرتا ہے۔ لیکن یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ دُنیا میں کتنے ہی ایسے با مذہب طبقات موجُود ہیں۔ جو مہذب نہیں۔ اپنے دیہات پہ نظر ڈالیے۔ وہاں کتنے ہی گھرانے پابند مذہب ملیں گے۔ لیکن بے علمی کی وجہ سے وہ غیر مہذب شمار ہوں گے۔ اسی طرح دُنیا میں کتنی ہی ایسی قومیں موجُود ہیں۔ جو مہذب تو ہیں۔ لیکن با مذہب نہیں۔ مثلاً :۔

رُوس ۔ چین اور دیگر اشتراکی ممالک ۔

موجُودہ اشتراکیوں کا عموماً اور اہلِ رُوس کا خصُوصاً خیال یہ ہے کہ اِنسانی زندگی میں سب سے بڑی چیز ریاست ہے، اور سب سے بڑا رابطہ، ریاست سے رابطہ۔ چُونکہ مذہب، اِنسان کا رابطہ خدا سے بھی قائم کر دیتا ہے۔ اور ریاست پس منظر میں چلی جاتی ہے۔ اس لیے مذہب ایک مُضر چیز ہے۔

اشتراکیوں کی یہ منطق محض ایک فریب ہے۔ دُنیا میں ہر اِنسان متعدد روابط کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً :۔

- خدا سے رابطہ۔
- والدین سے رابطہ، اور
- بہن۔ بھائیوں سے رابطہ۔

اِن میں سے ہر رابطہ ریاستی رابطہ سے محکم تر ہوتا ہے۔ اگر یہ تمام روابط وطن پرستی میں حائل نہیں۔ تو تنہا مذہب کو کیُوں حائل سمجھا جائے۔

• فطری قانون

۱۹۲۰ء میں سکاٹ لینڈ کے ایک پادری نے ایک کتاب "روحانی دنیا کا فطری قانون" کے عنوان سے لکھی تھی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ :

"الہامی ہدایات کے نتائج قوانینِ طبیعی کے نتائج کی طرح اٹل اور یقینی ہیں۔"

اگر ہم اپنی تہذیب پر کوئی ایسی کتاب لکھیں۔ جو اسلام کے تمام پہلوؤں پر محیط ہو۔ تو اُس کا نام ہوگا :

"سیاسیات - اخلاقیات - عبادات۔ معاشیات اور روحانیات کا فطری قانون۔"

• اسلامی تہذیب کی ہیئت میں تبدیلی

ابتداءً اسلامی تہذیب سے مراد عربوں کی تہذیب تھی۔ اُن کی شاعری۔ قبائلی روایات و آثار پر مشتمل ۔ رفتہ رفتہ اس میں ایرانی۔ عراقی۔ شامی اور مصری تہذیب کے اجزاء شامل ہوتے گئے۔ اور ہر ملک میں اسلامی تہذیب کا رنگ بدلتا گیا۔ بنیادی تصورات تو وہی رہے۔ لیکن علاقائی روایات کی وجہ سے اُس کی صورت تبدیل ہو گئی۔

عباسیہ دور کے بغداد میں اس نے علم و حکمت کی صورت اختیار کر لی۔ ایران میں پہنچ کر یہ نقاشی مصوری اور شاعری میں ڈھل گئی۔ ہندوستان میں حسین عمارات کا قالب اختیار کر لیا۔ اور ہسپانیہ میں یہ عظیم درس گاہوں اور لائبریریوں میں بدل گئی۔ یہ اختلاف و تنوع دیگر اقوام میں بھی نظر آتا ہے۔ مصر کی پرانی تہذیب

تعمیراتی تھی - جس کا اظہار اہرام کی صورت میں ہوا - قدیم یونان کی تہذیب عقلی تھی - قدیم چین کی مصورانہ، اور ہند کی ہر زمانے میں ضمیاتی رہی۔

اسلام جہاں بھی پہنچا - اس نے وہاں کی تہذیب سے کچھ نہ کچھ لے لیا - آتش پرست کی مقدس آگ چراغِ مسجد بن گئی، اور اُن کا کلس ہمارا مینار - یوں رفتہ رفتہ ایک ایسی حسین، عظیم اور طاقتور تہذیب وجود میں آ گئی - جس نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا - اور آج بھی - کہ ہم زوال و انحطاط کا شکار ہیں - ہماری تہذیب کے اثرات ہر ملک کے علوم و فنون، تعمیرات، لباس، مصوری، اور رہن سہن میں پائے جاتے ہیں -

بلند و پست تہذیب

تہذیب کے کئی مدارج ہیں - کپڑے سینا اور برتن بنانا بھی ایک قسم کی تہذیب ہے - لیکن کپڑوں پہ کشیدہ کاری اور برتنوں پہ نقش و نگار تہذیب کی بلند تر قسم ہے - اس سے عظیم تر عمارات پہ کتبہ نگاری ہے - تصنیف و تالیف - شاعری - تلاش و تحقیق اور ایجاد و انکشاف تہذیب کی انتہائی منازل ہیں -

تہذیب میں ایک اور طرح سے بھی تنوع پایا جاتا ہے -

وہ یوں کہ :

مختلف پیشہ ور طبقات کی تہذیب ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے - ایک معمار کی تہذیب (رہن سہن کا انداز) جامہ دوز سے، زمیندار کی کارخانہ دار سے، پان فروش کی لوہار سے، سوداگر کی سرکاری ملازم سے، اور پروفیسر کی ایک جج سے جدا ہوتی ہے -

یہ تنوع اساسی نہیں بلکہ سطحی ہوتا ہے -

• تہذیبِ نو کی تخلیق

ہر قوم کی تہذیب میں تبدیلی آ رہی ہے۔ یورپ کی ایک ہزار سال پُرانی تہذیب آج کہیں موجود نہیں۔ یہاں تک کہ اِس صدی کی تہذیب پچھلی صدی سے مختلف ہے۔

ہم اپنی محنت۔ عمل۔ تصانیف۔ انکشافات اور ایجادات سے ہر آن ایک نئی تہذیب پیدا کر رہے ہیں۔ ہر وُہ شاعر جو لکھ رہا ہے۔ ہر وُہ مصوّر جو تصویر بنا رہا ہے۔ اور ہر وُہ معمار جو حسین عمارات تیار کر رہا ہے۔ غیر محسوس طور پر ایک نئی تہذیب کی اساس رکھ رہا ہے۔ چُونکہ ہر فرد اور ہر قوم کی رفتارِ کار، دائرۂ کار اور طریقِ کار دُوسرے سے مُختلف ہے۔ اس لیے تہذیبوں میں اختلاف ناگزیر ہے۔

ہم ساری دُنیا کے لیے ایک تہذیب صرف اُسی صُورت میں پیدا کر سکتے ہیں۔ کہ ترقی یافتہ اقوام کی درس گاہیں اور تجربہ گاہیں دو سو سال کے لیے بند کر دیں۔ اور پسماندہ اقوام کی رفتارِ کار تیز کر دیں۔ شاید ڈیڑھ دو سو برس میں تمام اقوامِ عالم تہذیب کی ایک سطح پہ جمع ہو جائیں۔ ظاہر ہے، کہ یہ منزل نہ تو قابلِ تعریف ہے اور نہ قابلِ حصُول۔ تہذیبوں کا تنوّع حُسن ہے۔ بشرطیکہ اس کا نتیجہ اختلاف و نفرت نہ ہو۔

• مُہذّب معاشرہ

مُہذّب معاشرہ وُہ ہے۔ جس میں افراد کی خاصی تعداد تعلیم یافتہ۔ با اخلاق اور باہنر ہو۔ اُن میں کُچھ مُعلّم۔ کُچھ فلسفی۔ کُچھ علُومِ طبیعی اور کُچھ فنُونِ لطیفہ کے

ماہر ہوں۔

کوئی معاشرہ کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو۔ اُس میں کچھ لوگ اَن پڑھ اور اکھڑ بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اِن کی تعداد اتنی کم ہوتی ہے کہ پُورے سماج پہ اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ دُوسری طرف ایک گنوار معاشرہ میں چند افراد مُہذّب بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کی وجہ سے سارے سماج کو مُہذّب نہیں کہہ سکتے۔

• اِسلامی تہذیب کا عملی مُظاہرہ

اِسلامی تہذیب کے عملی مظاہر وُہی ہو سکتے ہیں۔ جو حدُودِ شریعت میں محصُور ہوں۔ مثلاً :-

* عِلم سے محبّت۔
* خُدا و رسُول سے عِشق۔
* متاعِ دُنیا سے بے نیازی۔
* صِدق۔ اِیثار۔ عَدل۔ اِحسان۔ سرفروشی۔ دیانت اور اِخلاص۔

اِسلام کے بُنیادی تصوّرات میں سے ایک یہ ہے کہ زندگی کسی ایسی منزل کی طرف رواں ہے۔ جہاں پہنچ کر وُہ موت کی گرفت سے باہر ہو جائے گی۔ اُس منزل کے دو حصّے ہیں۔

(۱) جنّت اور (۲) جہنّم۔

جنّت بندگانِ خدا کے لیے ہے۔ اور جہنّم پیروانِ اہرمن کے لیے۔ جنھوں نے اِس چند روزہ دُنیا کے لیے لوگوں کو لُوٹا۔ ہر قدر کو پامال کیا، اور چند آنی و فانی لذّات کی خاطر خُدا سے بغاوت کی۔

یہ عجیب بات ہے، کہ جو لوگ آج ایسے درخت لگا رہے ہیں۔ جن کا پھل

وُہ بیس سال بعد کھائیں گے۔ وہ اِتنی سطحی سی بات نہیں سوچ سکتے، کہ اِس چند سالہ زِندگی کی تباہ کُن لذّتوں کے لیے آنے والی بے انجام و بے کراں زِندگی کو تباہ کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

اُن کا خیال یہ ہے کہ :-

اِنْ هِیَ اِلَّاحَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا فِیْهَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ نِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِباً وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ۔

(مومنون - ۳۷/۳۸)

(اِس دُنیوی زندگی سے آگے کوئی اور زندگی موجُود نہیں۔ ہم یہیں پیدا ہوتے ہیں اور یہیں مرتے ہیں۔ موت کے بعد جی اُٹھنے کا تصوُّر باطل ہے۔ اِس آدمی (رسُول) نے اللّٰہ پہ اِفترا باندھا ہے اور ہم اُس کی بات نہیں مانیں گے)

تارِیخ اور تہذیب

تاریخ ایک زبردست قوّت ہے۔ جو کسی قوم کی تہذیب کو باقی رکھتی ہے اگر کسی حادثے سے اُس کی تہذیب مِٹ جائے تو وُہ اپنی تارِیخ سے اُسے دوبارہ زندہ کر سکتی ہے۔

تارِیخ کیا ہے ؟

اپنے اسلاف کے عظیم تہذیبی کارناموں کو محفوظ رکھنا۔ اور دُہرانا ۔ اِس سے نسلِ نو میں یہ آرزُو پیدا ہوتی ہے۔ کہ وُہ اپنی میراث کو نہ صرف زندہ رکھے۔

بلکہ اُس میں کچھ اضافہ بھی کرے۔ جو لوگ اپنی تاریخ کو بھول جاتے ہیں۔ وُہ اپنے آپ سے متنفر ہو کر دُوسروں کے نقال بن جاتے ہیں۔

تہذیب میں تسلسل قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ :۔

۱ : تاریخ ایک ہو۔

۲ : اقدار۔ روایات اور تصوّرات ایک ہوں۔

۳ : ہیروز ایک ہوں۔

اگر کسی قوم میں بُنیادی اقدار کے خلاف بغاوت پیدا ہو جائے۔ تو سب سے پہلے اُس کی تاریخ میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر تہذیب میں۔ اس کی نمایاں مثال وُہ اسلامی ریاستیں ہیں۔ جہاں آج اشتراکیت کا تسلط ہے۔ مثلاً : مصر۔ شام اور عراق۔ وہاں طبقۂ جدید اساسی اخلاقی اقدار سے باغی ہو چکا ہے۔ اور وہاں ایک ایسی تاریخ جنم لے رہی ہے۔ جس میں مارکس اور اینگلز۔ علیؓ و عمرؓ کی جگہ لے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تاریخ کا یہ اختلاف بڑے بڑے فتنے اٹھائے گا۔ اور ان ممالک کو ایسے میدانہائے جنگ میں بدل دے گا۔ جہاں اسلام و اشتراکیت مُدتوں برسرِپیکار رہیں گے۔

• زبان اور تہذیب

ہر قوم کی زبان، اُس کی تاریخ، روایات اور تہذیب کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اِس کے محاورات، استعارات اور تلمیحات میں اپنے ماحول، اپنی فضا، اپنی تاریخ، اپنے پھولوں، پرندوں، دریاؤں اور پہاڑوں کا ذکر ہوتا ہے۔ یہ ذکر اپنے وطن، اپنی تاریخ اور اپنے اکابر سے وابستگی پیدا کرتا ہے۔ دوسری طرف ایک اجنبی زبان کا شیدائی کی امراض و حوادث کا

شکار ہو جاتا ہے۔ مثلاً :

ا : اُسے اپنی زبان سے نفرت ہو جاتی ہے۔

ب : وُہ اپنی قومی تاریخ کو بھول جاتا ہے۔

ج : وُہ دُوسروں کے دریاؤں ۔ پھولوں ۔ شہروں اور پرندوں سے محبت کرنے لگتا ہے ۔ وُہ رہتا تو پاکستان میں ہے۔ لیکن اُس کی رُوح کہیں باہر ہوتی ہے۔ شخصیت کی یہ دورنگی اسے قابلِ نفرت بنا دیتی ہے۔

بعض زبانیں علوم و فنون کے لحاظ سے بڑی مالدار ہوتی ہیں۔ مثلاً :۔

٭ آج سے ہزار سال پہلے عربی ۔ اور

٭ آج کل انگریزی ۔ فرانسیسی اور جرمنی ۔

علم کی خاطر ان میں سے کسی ایک زبان کو سیکھنا ضروری ہے ۔ ورنہ ہم زندگی کے سفر میں پیچھے رہ جائیں گے ۔ اور تیز رفتار اقوام ہمیں مسل کر آگے نکل جائیں گی ۔ ظاہر ہے ، کہ ان زبانوں کے ادب سے ہمارا ادب اور اہلِ زباں کی تہذیب سے ہماری تہذیب متاثر ہو گی ۔ اور اس میں کوئی عیب نہیں ۔ اثر پذیری کا یہ عمل زندگی کے ہر شعبے میں ازل سے جاری ہے ۔ اور تا ابد جاری رہے گا۔ حرکت زندگی ہے ۔ اور سکون موت !

ع : ہستم اگر میروم
گر نروم نیستم

اگر ہم اچھے اور بُرے اثرات میں تمیز کر سکیں۔ تو اس اثر پذیری سے ہماری تہذیب کو مزید تب و تاب نصیب ہو گی۔

• تعلیم اور تہذیب

تعلیم کا مقصد ایسے افراد پیدا کرنا ہے۔ جو :۔

الف : بلند نگہ ۔ بلند اخلاق اور بلند مشرب ہوں۔
ب : تعمیرِ انسانیت میں بھرپور رول ادا کر سکتے ہوں۔
ج : خیر و شر کے الہامی تصوّرات سے آگاہ ہوں۔
د : تسخیرِ کائنات کی صلاحیّت رکھتے ہوں۔
ہ : اور کاروانِ حیات کو رہِ منزل دکھا سکتے ہوں۔

اِس زمین پر بے شمار اقوام آباد ہیں۔ ہر قوم کا اندازِ حیات دُوسرے سے مُختلف ہے۔ اور اِن کی ضروریات بھی الگ الگ۔ اِس لیے ہر مُلک کا نظامِ تعلیم دُوسرے سے جُدا ہے۔ اِن میں صرف ایک چیز مُشترک ہے۔ یعنی ٹکنالوجی۔ اور تعلیم و تہذیب کے باقی شعبے قومی ضروریات کے تحت وجُود میں آتے ہیں۔

اِسلامی ممالک میں تہذیب اخلاق کو اہمیّت دی جاتی ہے۔ ہند میں چار برنوں اور دیومالا کو۔ چین میں سادہ زندگی کو۔ اور یورپ کے بیشتر ممالک میں لذّت طلبی کو۔ ڈاکٹر ایف۔ سی ہیپوَلڈ کا یہ اِرشاد بڑا ہی برمحل ہے :۔

"تعلیم کا مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے۔ جو قوم و وطن کے لیے ناگزیر ہوں۔"

("کلچر کی تعریف"۔ ٹی ایس ایلیٹ۔ ص۱۰۱)

تعلیم کیسی ہی ہو۔ اور اُس کا مقصد کچھ ہی ہو۔ وُہ تہذیب پر لازمًا اثر انداز ہوتی ہے۔ اور یہ کہنا مُبالغہ نہیں کہ عناصرِ تہذیب میں اَسّی فیصد علم ہے۔ اور باقی دِیگر اشیاء۔ مثلاً :۔ تاریخ۔ رسُوم۔

قبائلی روایات وغیرہ۔

• علم کی منصفانہ تقسیم

رزق کی طرح علم کی تقسیم بھی منصفانہ ہونی چاہیئے۔ جس طرح رزق کی مساوی (یا غیر حکیمانہ) تقسیم انتہائی خطرناک ہے۔ اگر سب کی روزی برابر ہو۔ تو مزدور کو کیا پڑی ہے۔ کہ وہ ہمارا سامان اٹھائے۔ یا خاکروب ہماری نالیاں صاف کرے۔

علم کی مساوانہ تقسیم بھی مضر ہوتی ہے۔ اگر ہم ہر طالب علم کو ڈاکٹر یا انجنیئر بنا دیں۔ تو تعلیم یافتوں میں بے کاری بڑھ جائے گی۔ زندگی کے بے شمار شعبے مثلاً: زراعت۔ قانون۔ انصاف۔ تعلیم۔ آب شناسی وغیرہ ختم ہو جائیں گے۔ اور ساری قوم علم سے متنفر ہو جائے گی۔

کہتے ہیں۔ کہ علم باعثِ مسرت ہوتا ہے۔ لیکن صرف اسی صورت میں کہ اس کی تقسیم منصفانہ ہو۔

• ہزاروں رومی

جو طبقہ ہر شخص کو تعلیم دلانے کا قائل ہے۔ اُس کا استدلال یہ ہے۔ کہ انسان کی تمام ذہنی طاقتیں علم سے بیدار ہوتی ہیں۔ کوئی قوم علم کے بغیر اقبال۔ رومی اور ملٹن پیدا نہیں کر سکتی۔ نہ جانے کتنے ہی ملٹن اور رومی محض اس لیے پیدا نہ ہو سکے، کہ انھیں تعلیم نہ ملی۔ اگر اس طرح سو سال میں ایک رومی بھی ضائع ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ عالمِ انسانیت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر ساری قوم کو تعلیم دینے سے آئے دن رومی پیدا ہونے لگیں تو رومی کی کوئی آبرو نہ رہے۔

صنعت اور تہذیب

صنعت جس مُلک میں بھی قدم رکھتی ہے۔ چند چیزیں ساتھ لاتی ہے۔ مثلاً :-

ا : وُہ پہلے بے شمار افرادِ معاشرہ کو بے کار بناتی ہے۔ اگر کسی شہر میں کپڑے کا ایک کارخانہ لگ جائے۔ تو گرد و نواح میں میلوں تک جامہ باف بے کار ہو جائیں گے۔

ب : صنعت کا عُروج افراطِ زر پیدا کرتا ہے۔

ج : اس سے کارفرما و کارکُن میں کش مکش پیدا ہوجاتی ہے۔

د : کارخانوں میں عمُوماً مرد و زن مِل کر کام کرتے ہیں۔ اِس اختلاط سے جنسی رُجحان بد لگام ہو کر بدکاری کا محرّک بنتا ہے۔

ہ : چُونکہ حرِیص کارخانہ دار مزدُوروں کو عبادت کا وقت نہیں دیتا۔ اِس سے اُن میں اِضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا علاج وُہ مستی نشہ آور اشیاء مثلاً :- چرس، بھنگ وغیرہ سے کرتے ہیں۔ اور گرتے گرتے سطحِ حیوانیت پہ پُہنچ جاتے ہیں۔ اِس صُورتِ حال سے ایک ایسی کھوکھلی تہذیب پیدا ہوتی ہے۔ جس کا مرکز زر ہوتا ہے یا زن۔ اور وُہ رُوحانیت سے یکسر مُعرّا ہوتی ہے۔

سیاست اور تہذیب

عصرِ رواں کی سیاست کا ذلیل مقصد پسماندہ اقوام پہ غلبہ حاصل کر کے

ان کی زرعی و معدنی دولت پہ ہاتھ صاف کرنا ہے۔ یہ اُسی صورت میں ممکن ہے کہ محکوم علوم طبیعی سے جاہل رہیں۔ تاکہ وُہ اپنی اجناسِ خام اور معدنی دولت سے فائدہ نہ اٹھا سکیں اور اُن میں احساسِ آزادی بیدار نہ ہو۔ اِس کا بہترین راستہ یہ ہے۔ کہ محکوم کی تاریخ از سرِ نو لکھ کر اُس کے سلاطین کو اوباش، اولیاء کو ٹھگ اور عُلماء کو جاہل قرار دیا جائے۔ تاکہ وُہ اپنی تاریخ سے متنفر ہو جائیں۔ ساتھ ہی اُن کی تہذیب کا مذاق اُڑائیں۔ نصابِ تعلیم، رسائل، کُتب، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور سینما کی وساطت سے اُن کے ذہنوں کی تسخیر کریں۔

کہتے ہیں۔ کہ ذہن مسخر ہو جائیں۔ تو جسم خود بخود مطیع ہو جاتے ہیں۔ اور دست و پا سے قوتِ عمل چھن جاتی ہے۔

• اسلامی سیاست

اِس کے بالمقابل ایک سیاست وُہ ہے۔ جو اسلامی تہذیب سے جنم لیتی ہے۔

اِس کے خدوخال یہ ہیں :-

ا : اِس میں ہر شخص خُدا کا غلام اور اِنسان کا خادم ہوتا ہے۔

ب : اِس میں نسل و رنگ کا اِمتیاز نہیں ہوتا۔

ج : سب کی ضروریات بیت المال سے پوری کی جاتی ہیں۔

د : اُمراء کو اِسراف و بدمستی کی اِجازت نہیں ہوتی، اور ہر شخص سے اُس کی فاضل دولت لے لی جاتی ہے۔

ہ : ہر شخص کو حکومت پر تعمیری تنقید کی اِجازت ہوتی ہے۔

و : قانون کے سامنے شاہ و گدا یکساں ہوتے ہیں۔

ز : عریانی و عیاشی کی اجازت نہیں ہوتی۔

ح : اور انسانیت کی بناء علم و عشق پہ اُٹھائی جاتی ہے۔

• یورپ پر اسلامی تہذیب کا اثر

قرونِ وسطیٰ میں یورپ جہالت اور بربریت میں تا بغرق ڈوبا ہوا تھا۔ لوگ کچے مکانوں اور جھونپڑوں میں رہتے تھے۔ پتے کھاتے اور کھالیں پہنتے تھے اُن کی گلیوں میں جا بجا کوڑے کے ڈھیر اور جوہڑ تھے۔ ہر طرف بے راہ جنگل تھے جن میں ڈاکوؤں اور آدم خوروں کا بسیرا تھا۔ سیاست۔ تہذیب۔ تمدن۔ اور علوم و فنون کا نشان تک نہ تھا۔

عین اس عالم میں عرب سے ایک قوم اٹھی۔ اور نوے برس کی قلیل مدت میں ملتان سے بحیرۂ اسود اور سمرقند سے ساحلِ اٹلانٹک تک چھا گئی۔ اس قوم نے جا بجا مساجد و مکاتب بنائے۔ تالیف و ترجمہ کے مرکز قائم کیے۔ دنیا بھر کے علماء کو اپنے درباروں میں جمع کیا۔ عظیم لائبریریوں کی بنا ڈالی۔ سڑکیں نکالیں۔ نہریں کھودیں۔ باغات لگائے۔ رات کو گلیوں میں روشنی کا انتظام کیا۔ ہر ملک میں الحمرا اور تاج محل بنائے۔ اور دنیا کو حسین تعمیروں سے بھر دیا۔

عہدِ مامون (۸۱۳ — ۸۳۳ء) میں بغداد کی آبادی دس لاکھ تھی۔ جس میں تیس ہزار مساجد۔ دس ہزار حمام۔ ایک ہزار محل اور آٹھ سو ساٹھ طبیب تھے۔ سڑکوں پر ہر روز گلاب اور کیوڑے کا عرق چھڑکا جاتا تھا۔ محلات میں چاندی اور سونے کے شمعدان۔ مرصع فانوس اور اُن میں عنبری شمعیں رات بھر نور و خوشبو کا عالم رچائے رکھتی تھیں۔ اُمراء میں حریر و پرنیاں کا

استعمال عام تھا۔

بغداد کے جامہ باف اس قدر باکمال تھے۔ کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ نے کپڑے کا ایک تھان پچاس ہزار دینار (ساڑھے بارہ لاکھ پاکستانی روپے) میں خریدا[1]۔

رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے[2]۔ کہ:

عربوں کے نفیس سوتی۔ اُونی اور ریشمی لباس بغداد کے حریر و پرنیان، موصل کی ململ اور طرابلس کے شیفوں نے یورپ کی نیم برہنہ آبادی کو عمدہ لباس کا شوقین بنا دیا تھا۔

اس قسم کے مناظر اکثر دیکھنے میں آئے، کہ:

ایک پادری گرجے میں اتوار کے دن خطبہ دے رہا ہے اور اُس کی عبا پر قرآنی آیات کاڑھی ہوئی ہیں[3]۔

عورتیں بھی عربی لباس فخر سے پہنتی تھیں۔ جو قرطبہ، اشبیلیہ اور سسلی میں تیار ہوتا تھا۔ اشبیلیہ میں سولہ ہزار کرگھے تھے۔ اور قرطبہ میں ریشم بافوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی۔ ان کے تیار کردہ عباؤں اور قباؤں پر قرآنی آیات بھی ہوتی تھیں۔ جنہیں عیسائی بادشاہ اور پادری فخر سے پہنتے تھے۔

مسلمانوں نے سسلی میں نہریں کھدوائیں۔ دُور دراز علاقوں سے پھلوں کے درخت منگوا کر باغات لگائے۔ تعمیرات میں سرخ و سفید پتھر استعمال کیا۔ آرائشی طاقچوں، جالیوں اور میناروں کو مقبول بنایا۔ محلات و مساجد کو

---

[1] : شبلی : المامون - ص ۱۳۶

[2] : تشکیلِ انسانیت - ص ۲۶۸

[3] : تشکیل ص ۲۶۹

حسین کتبوں سے آراستہ کیا۔ ایک سو تیرہ بندرگاہیں بنائیں، اور وہاں کے لوگ ہماری تہذیب سے اِس قدر متاثر ہوئے کہ اُن کا لباس اور تمدّن اسلامی سانچے میں ڈھل گیا۔

وِل ڈیوران لکھتا ہے :-

" اندلس پر عربوں کی حکومت اِس قدر عادلانہ، عاقلانہ اور مشفقانہ تھی، کہ اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی...... اُن کے جج نہایت قابل تھے۔ عیسائیوں کے فیصلے عیسائی جج کیا کرتے تھے پولیس کا انتظام بہت اعلیٰ تھا۔ بازار میں ماپ۔ تول کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ عوام کے لیے عربوں کی حکومت روم کے مقابلے میں ایک نعمت تھی۔ اُنھوں نے بڑے بڑے زمینداروں کی زمینیں مزارعین میں تقسیم کر دی تھیں۔"

(ایج آف فیتھ۔ ص ۲۹۷)

اِسلامی تہذیب کو پھیلانے میں صلیبی جنگوں نے بھی حصّہ لیا۔ یہ جنگیں اندازاً دو سو سال تک جاری رہیں۔

صلیبیوں نے پہلی جنگ (۱۰۹۶ء) میں یروشلم پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ قبضہ اسّی برس تک قائم رہا۔ صلیبیوں کا پہلا بادشاہ بالڈون تھا۔ جو عربی لباس پہنتا تھا۔ اس کے لاکھوں سپاہی، حکام اور اہلکار عربی بولتے، اور عربی مصنوعات استعمال کرتے تھے۔ جب یہ لوگ عربوں کے قصائد لے کر یورپ میں پہنچے۔ تو وہاں کے شعراء نے بھی عربوں کی طرح رجز خوانی شروع کر دی۔ عربی بحریں[1]، قافیے، اور استعارات استعمال کرنے لگے۔

---

[1] : تشکیل۔ ص ۲۷۴

اُونٹ ۔ آہُو اور خارِ مغیلاں کا ذِکر ہونے لگا۔ عربی ساز یعنی بنسی، عُود، طنبُور اور گِٹار بھی یورپ میں مقبُول ہو گئے۔ اور عورتوں نے نقاب اوڑھ لیا۔

جب سسلی میں مُسلمانوں کو زوال آیا۔ تو وہاں نارمنوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ اِن کا پہلا بادشاہ راجر۔ اوّل (۱۰۹۱ — ۱۱۰۱ء) تھا۔ یہ عربی لباس پہنتا اور عمُوماً عربی میں احکام لکھواتا تھا۔ اِس کا دربار مُسلم عُلماء سے پُر تھا۔

یورپ میں کاغذ مُسلمانوں کے ہمراہ پُہنچا تھا۔ ان سے پہلے وہاں لکھنے کے لیے پتے ۔ پتھر اور جھلیاں استعمال ہوتی تھیں۔ چونکہ جھلی (پارچمنٹ) تیار کرنے میں بڑا وقت، محنت اور روپیہ صَرف ہوتا ہے۔ اِس لیے یہ بہت کمیاب تھی۔ جب کوئی شخص نئی کتاب لکھنے لگتا۔ تو اُسے عمُوماً کوئی اِستعمال شدہ جھلی مِلتی۔ جِس سے وُہ پُرانی تحریر دھو ڈالتا۔

یہی وجہ ہے کہ جب ۷۱۱ء میں مُسلمان یورپ میں پُہنچے۔ تو وہاں کوئی لائبریری موجُود نہ تھی۔ قدیم یُونانی فلسفیوں (ارسطو ۔ افلاطون وغیرہ) کی کتابیں ایتھنز اور استنبول کے تہ خانوں میں صدیوں سے مُقفّل تھیں، اور فرانس سے قسطنطنیہ تک صِرف چند کتابیں تھیں۔ اور وُہ بھی چند خوش قِسمت افراد کے پاس۔

• رُومہ کے اہلِ قلم

رُومہ کی سلطنت ۷۵۳ قم میں قائم ہوئی تھی۔ پہلی پانچ صدیوں میں وہاں کسی کتاب کا سُراغ نہیں مِلتا۔ نائیشیَس[1] پہلا رُومی مصنّف ہے۔ جِس نے ۲۴۰ قم میں چند یونانی کتابوں کو لاطینی میں مُنتقل کیا تھا۔

۱۔: NACIOUS.

دُوسرا پلاٹس[1] (ڈرامہ نگار)
تیسرا اَینئیَس[2] (شاعر ۱۶۹ سنہ قم)
اور چوتھا کیٹو[3] (ادیب) ہے۔
ولادتِ مسیح تک صرف بیس اہلِ قلم کے نام ملتے ہیں۔ ان میں

* لیوی (مؤرخ۔ ۱۷ سنہ قم)
* سِسرو (۴۳ سنہ قم)
* وَرجل (۱۹ سنہ قم)
* گیلَس (۲۰ سنہ قم)
* لُوقَن (۶۵ سنہ قم) اور
* اور ہوریس (۸ سنہ قم) مشہور ہیں۔

یہ ادب کیسا تھا؟ بریفالٹ سے سُنیے :۔

" رُومیوں کا ادب بالکل بے مغز۔ بے حقیقت صنمیاتی اور بوگس تھا۔" (تشکیل ص ۲۴۷)

رُومہ نے ولادتِ مسیح تک تقریباً بیس اہلِ قلم پیدا کیے، اور بعد کی نو صدیوں میں صرف بیس نام ملتے ہیں۔

جرمنی کا ادب

جرمنی میں ۸۰۰ء سے پہلے کسی کتاب کا سُراغ نہیں ملتا۔ البتہ فرانس

---

[1] PLAUTUS.
[2] ENNIUS.
[3] CATO.

کے بادشاہ شارلیمان (۷۴۲ء — ۸۱۴ء) کی علم نوازی سے جرمنی میں بھی کچھ ذہنی حرکت پیدا ہو گئی تھی۔ جرمنی میں پہلی کتاب ۸۰۰ء میں لکھی گئی۔ یہ ایک مذہبی رسالہ تھا۔ چند دعاؤں اور گیتوں پہ مشتمل۔ نوّے برس بعد ایک تاریخی نظم شائع ہوئی۔ بعد کے اڑھائی سو سال میں صرف ایک درجن شعراء وادباء نے جنم لیا۔ اور ۱۰۵۰ء سے ۱۳۵۰ء تک صرف تیس اہلِ قلم پیدا ہوئے۔

• انگریزی ادب

بارھویں صدی کے وسط تک انگریزی ادب کوئی ڈیڑھ درجن کتابوں اور چند نظموں پہ مشتمل تھا۔ اہلِ قلم کی تعداد بھی تقریباً یہی تھی۔

اِن میں قابلِ ذکر یہ ہیں:

- آلڈہم (۶۵۰ء — ۷۳۵ء)
- ایگبرٹ (۶۷۸ء — ۷۶۶ء)
- بیڈ (۶۷۱ء — ۷۳۵ء)
- وِنفرِڈ (۶۸۰ء — ۷۵۵ء) اور
- کنگ الفریڈ (۸۷۱ء — ۹۰۱ء)

تو میں کہہ یہ رہا تھا کہ یورپ میں کاغذ مسلمانوں کے ہمراہ پہنچا تھا۔ اس سے[1] وہاں کی صورتِ حال قاطبتہً بدل گئی۔ اہلِ قلم کی سب سے بڑی دقّت رفع ہو گئی اور ادب میں آہستہ آہستہ اضافہ ہونے لگا۔

یورپ میں کاغذ پہ پہلی تحریر راجرِ اوّل کی ملکہ کا ایک حکم تھا۔ جو

---

[1] موسیو لیبان لکھتا ہے:

(تمدنِ عرب صفحہ ۴۳۸) کاغذ پہ پہلی تحریر (باقی اگلے صفحہ پر)

سنہ ۱۱۰۹ء میں جاری ہوا تھا۔ یہ عربی اور یونانی دونوں زبانوں میں تھا۔

یورپ میں عربی خط اور عربی راگ وغیرہ

سسلی کے نارمن حکمران راجر دوم (۱۱۰۵ء — ۱۱۵۴ء) کا لباس اسلامی تھا۔ اور اس پر عربی آیات لکھی ہوئی تھیں۔ مشہور جغرافیہ دان الادریسی (۱۱۶۶ء) اسی کے دربار میں رہتا تھا۔ اس کے حرم میں مسلم سلاطین کی طرح کئی بیویاں اور لونڈیاں تھیں۔ اس کے سکے پہ یہ عبارت کندہ تھی۔ [۱]

اَلْمُعْتَز بِاللہ الملکِ المُعَظّم راجار الثانی۔ لا اِلٰہَ اِلّا اللہُ وَحْدَہٗ لا شریکَ لَہٗ۔ سنہ

راجر دوم کے بعد ولیم اوّل (۱۱۵۴ء — ۱۱۶۶ء) تخت نشین ہوا۔ اس کے سکے پہ یہ عبارت درج تھی۔ [۲]

الهارُون بِاَمْرِ اللہِ الملکِ المُعَظّم۔

اندلس کا مشہور جغرافیہ دان ابنِ جُبیر (۱۲۱۶ء) سنہ ۱۱۸۴ء میں سسلی پہنچا تھا۔ وہاں کے بادشاہ ولیم دوم (۱۱۶۶ء — ۱۱۸۹ء) کے متعلق لکھتا ہے۔ [۳]

صفحہ نمبر ۳۸ سے آگے :-

ایک کتاب تھی۔ جو اِسکوریل (میڈرڈ۔ سپین) کی لائبریری میں موجود ہے۔ اور جو سنہ ۱۰۰۹ء میں لکھی گئی تھی۔

[۱] : رحلۃ ابنِ جُبیر ص ۳۳۳

[۲] : رحلۃ ابنِ جُبیر ص ۳۳۳

[۳] : رحلۃ ابنِ جُبیر ص ۳۲۰

"ولیم دوم عجیب و غریب آدمی ہے۔ اس کے تمام وزرا دربان۔ خواجہ سرا اور دیگر خدام مسلمان ہیں۔ اس کا سرکاری نشان الحمدُ لِلّٰہِ حقّ حمدِہٖ ہے۔ اور اس کے والد (ولیم اوّل) کا الحمدُ لِلّٰہِ شکراً لِانعمہٖ تھا۔ اس کے محل کے زرکار (طلائی کام کرنے والا) نے مجھے بتایا کہ جو عیسائی لڑکیاں شاہی محل میں داخل ہوتی ہیں۔ وہ مسلمان کنیزوں کی نیکی۔ پاکیزگی۔ اور عبادت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتی ہیں۔"

مرسیہ [1] (برطانیہ) کے ایک نواب یا حکمران آفا (OFFA ۷۵۷ء — ۷۹۶ء) کا سکہ اسلامی دینار جیسا تھا۔ جس پر ایک عربی مثل کندہ تھی۔ یہ سکہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

اسی [2] میوزیم میں نویں صدی کی ایک صلیب رکھی ہوئی ہے۔ جس پر کوفی خط میں :

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لکھی ہوئی ہے۔

میلان [3] (اٹلی) کے ایک کلیسا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سر کے گرد عربی حروف کا ایک ہالہ بنا ہوا ہے۔ اور پطرس کے لباس پر عربی کی کوئی تحریر ہے۔

---

[1] : آرنلڈ :۔ میراثِ اسلام ص ۱۱۳

[2] : آرنلڈ :۔ میراثِ اسلام ص ۱۱۴

[3] : لی بان :۔ تمدنِ عرب۔ اردو ترجمہ از سید علی بلگرامی ص ۴۸۶

پوئٹی ؎ (فرانس) کے کلیسا کا دروازہ عربی کتبے سے آراستہ تھا۔ اور ناربون (فرانس) کی فصیل پر عربی تاج بنا ہُوا تھا۔ فرانس کے بعض قلعوں۔ برجوں اور فصیلوں پر عربوں کے کنگرے، چھجے اور مینار آج بھی نظر آتے ہیں۔

سسلی ؎۲ اور جرمنی کے حکمران فریڈرک دوم (۱۲۱۲ء۔ ۱۲۵۰ء) کا دربار نیز حرم اسلامی طرز کا تھا۔ وُہی خواجہ سرا۔ عرب علماء۔ علمی بحثیں، اور عربی راگ۔ عربی سازوں کے ساتھ۔

اگر کسی بادشاہ نے یورپ کو وحشت و بربریت سے نجات دلائی ہے تو وُہ شارلیمان نہیں بلکہ فریڈرک تھا۔ اِس نے مختلف شہروں میں یونیورسٹیاں قائم کیں۔ اِن میں عربوں کی کتابیں پڑھانے کا انتظام کیا۔ سلرنو میں عربی طب کا مدرسہ کھولا۔ اپنے ایک درباری "مائیکل سکاٹ" کو ابنِ رُشد کی تصانیف جمع کرنے کے لیے قرطبہ بھیجا، اور اِن کی نقول مختلف درسگاہوں میں بھجوائیں۔

مسلمانوں کی علمی مساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ میں جا بجا علمی ادارے قائم ہو گئے اور پندرھویں صدی کے آغاز میں سارا یورپ جاگ اُٹھا۔

• سسلی کے عیسائی حکمران مسلمانوں کے بعد

چونکہ پچھلے صفحات میں سسلی کے عیسائی حکمرانوں کا ذکر بار بار آیا ہے

؎۱ : لی بان :۔ تمدنِ عرب۔ اُردو ترجمہ از سید علی بلگرامی ص ۵۱۹

؎۲ : تشکیل۔ ص ۲۷۸

اس لیے یہاں ان تمام کے نام بہ ترتیب جلوس دیے جاتے ہیں۔

مسلمان سسلی پر ۹۴۷ء سے ۱۰۹۱ء تک حکمران رہے۔ بعدازاں جنوبی اٹلی کے ایک حکمران خاندان نے، جو نارمنڈی سے وہاں جاکر آباد ہو گیا تھا، سسلی پہ قبضہ کر لیا۔ پھر جرمن آگئے۔ ان کے بعد فرانسیسی، پھر ہسپانوی اور آخر میں دوبارہ فرانسیسی چھا گئے۔

ان سلاطین کے نام یہ ہیں:-

شمار	نام	حکومت		کیفیت
		از	تا	
۱	راجر اول	۱۰۹۱ء	۱۱۰۱ء	گو نارمن سسلی کے پایۂ تخت پر ۱۰۵۲ء میں قابض ہو گئے تھے لیکن بعض مسلم امراء ۱۰۹۱ء تک لڑتے رہے۔
۲	سائمن	۱۱۰۱ء	۱۱۰۵ء	
۳	راجر دوم	۱۱۰۵ء	۱۱۵۴ء	
۴	ولیم اول	۱۱۵۴ء	۱۱۶۶ء	
۵	ولیم دوم	۱۱۶۶ء	۱۱۸۹ء	
۶	ٹنکریڈ	۱۱۸۹ء	۱۱۹۴ء	
۷	ولیم سوم	۱۱۹۴ء	۱۱۹۴ء	یہ آخری نارمن بادشاہ تھا اس کے بعد جرمنی کے

شمار	نام	حکومت از	حکومت تا	کیفیت
				ایک بادشاہ ہنری ششم نے سسلی پر قبضہ کرلیا، اور جرمن بادشاہوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔
۸	ہنری ششم	۱۱۹۴ء	۱۱۹۷ء	
۹	فریڈرک ۔ دوم	۱۱۹۷ء	۱۲۵۰ء	
۱۰	مینفریڈ	۱۲۵۰ء	۱۲۶۶ء	یہ تھا آخری جرمن بادشاہ ۔ اِس کے بعد سسلی پر فرانس قابض ہوگیا۔ اُس وقت فرانس کا بادشاہ لوئی نہم تھا ۔ اُس نے اپنے بھائی چارلس آف اینجو، کو سسلی کا فرماں روا بنادیا۔
۱۱	چارلس آف اینجو ۔ اوّل	۱۲۶۶ء	۱۲۸۵ء	

شمار	نام	حکومت		کیفیت
		از	تا	
۱۲	چارلس آف اینجو دوم		۱۲۸۵ء	اِس کے بعد سسلی پر شاہِ اراگان (سپین) کا قبضہ ہوگیا۔ ان کی حکومت ۱۵۷ برس تک رہی۔ اس کے بعد دوبارہ فرانس قابض ہوگیا۔ پورے چار سو سال کی اِس افراتفری کے بعد ۱۸۶۰ء میں سسلی اٹلی کا حصّہ بن گیا۔

• اِسلامی تہذیب دیگر ممالک میں

اِسلامی تہذیب عرب سے نکل کر شمال میں بحرۂ اسُود، مغرب میں ہسپانیہ۔ فرانس اور مراکش۔ مشرق میں بخارا و سمرقند اور جنوب میں انڈونیشیا تک پہنچی تھی۔ یہ کہیں اِسلامی عساکر کے ساتھ گئی، اور کہیں سیّاحوں اور تاجروں کے ہمراہ۔

آج (۱۹۷۰ء) جاپان۔ جاوا۔ سماٹرا۔ فلپائن۔ بورنیو، اور دیگر

بحرالکاہل جزائر میں مسلمانوں کی تعداد پچیس کروڑ سے کم نہیں۔ (اکیس کروڑ کے قریب تو صرف انڈونیشیا اور چین میں ہیں) اِن علاقوں پر عربوں نے ایک دن بھی حکومت نہیں کی تھی۔ یہ لوگ چند تاجروں اور سیاحوں کے حسین چہرے اور حُسنِ عمل کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے تھے۔

اِسلامی عساکر پہلی صدی ہجری میں ملتان سے ساحِل اطلس تک چھا گئے تھے۔ حضور صلعم کی رحلت تک سارا عرب فتح ہو چکا تھا۔ حضور صلعم کے بعد سنہ ۱۲ھ میں عراق عرب، سنہ ۱۴ھ میں دمشق، سنہ ۲۰ھ میں مصر سنہ ۲۱ھ میں ایران، سنہ ۲۶ھ میں ٹیونس، سنہ ۵۴ھ میں بخارا، سنہ ۸۴ھ میں ساحِل اطلس اور سنہ ۹۰ھ میں اندلس نیز سندھ تا ملتان فتح ہوا۔ اِن علاقوں نے نہ صرف اسلام قبول کر لیا۔ بلکہ اِن میں سے بعض علاقوں مثلاً :۔ عراق۔ شام۔ مصر۔ لیبیا۔ ٹیونس۔ الجزائر۔ مراکش اور سوڈان کی زبان بھی عربی ہو گئی۔ ایران پر کئی صدیوں تک عربی کا تسلّط رہا۔ اِس کے بیشتر اہلِ علم عربی میں لکھتے رہے۔ مثلاً :۔

۱ :	ابو معشر جعفر بلخی	۲۷۲ھ
۲ :	ابو بکر رازی	۳۱۲ھ
۳ :	علی عبّاس ایرانی	۳۸۲ھ
۴ :	ابو حیّان توحیدی نیشاپوری	۴۰۰ھ
۵ :	البیرونی	۴۳۹ھ
۶ :	بو علی سینا	۴۷۹ھ
۷ :	امام غزالی طوسی	۵۰۴ھ
۸ :	فخر الرازی	۶۰۵ھ

۹	:	نصیرُ الدّین محقق طوُسی	۶۶۶ھ
۱۰	:	زکریّا قزوینی	۶۸۱ھ
۱۱	:	علامہ تفتازانی	۷۹۰ھ
۱۲	:	جلالُ الدّین دوّانی	۹۰۵ھ

آج بھی ایران - افغانستان - پاکستان اور ہندوستان میں ایسے مدارس موجود ہیں - جہاں ذریعۂ تعلیم عربی ہے -

مثلاً :-

ہند میں، دیوبند - سہارن پور - لکھنؤ - بمبئی اور وابیل کے دارالعلوم - پاکستان میں لاہور کا نعمانیہ واشرفیہ، جھنگ میں جامعۂ اسلامیہ - بہاول پور - مُلتان - حیدر آباد - کراچی اور اکوڑہ خٹک کی درس گاہیں - جہاں فقہ - منطق - نحو - تفسیر اور حدیث عمُوماً عربی میں پڑھائی جاتی ہے - یہ سلسلہ ملایا - انڈونیشیا اور چین تک پھیلا ہُوا ہے -

ایران نے کتنی بڑی بڑی تہذیبیں دیکھیں - اس کی قدیم ترین تہذیب وُہ تھی - جسے جمشید - فریدُون - کیمرُث اور ہوشنگ نے جنم دیا تھا -

دو ہزار قبلِ مسیح میں وہاں آریائی تہذیب داخل ہُوئی - تین سو قبلِ مسیح میں اسکندرِ یُونانی آیا - بعد میں رُومی تہذیب سے ایران کا رابطہ پیدا ہُوا - اور ساتویں صدی عیسوی کے نصفِ اوّل میں وہاں اسلام جا پہنچا - باقی تہذیبوں کی کیفیّت وُہی تھی - جو ابرِ بہار کی :

کہ برس کر کھُل گیا

اور چند روز بعد زمین پھر پیاسی ہو گئی - لیکن اسلامی تہذیب کی گرفت اتنی شدید تھی، کہ یہ رُوح میں اُتر گئی - اور دین و ایمان کا حصّہ بن گئی - اس کا مقابلہ

فرنگی تہذیب سے کیجیے۔ جو اپنے تابدار علوم و فنون ۔ ایجادات ، انکشافات ، لائبریریوں ، شاندار عمارتوں ، چمکیلی سڑکوں اور بھڑکیلے لباسوں کے ساتھ برِّصغیر میں آئی۔ یہاں ڈیڑھ سو سال رہی ، اور اپنے خلاف اِس قدر نفرت پیدا کی ، کہ بالآخر اُسے اِس سرزمین سے بھاگنا پڑا۔ کیوں ؟ اِس لیے ۔ کہ اُس کے پاس باقی تو سب کچھ تھا۔ صرف اِنسانیت نہ تھی۔ وُہ لوگ مغرور ۔ بے رحم ۔ ظالم ؛ اور عوام سے مُتنفّر تھے۔ اُن کا مقصدِ حیات یہاں کی دولت سمیٹنا تھا۔ وبس ۔

دُوسری طرف اِسلامی تہذیب کا مقصد علوم و فنون کا فروغ ، بلند اِنسانی اَقدار کا اِحیاء اور عوام کی خدمت تھا۔ اِن صفات نے مسلمانوں کو اِتنا مقبول بنا دیا ، کہ لوگوں نے اِنھیں اور اُن کی تہذیب کو گلے لگا لیا۔

• عربی کا اثر عالمی زبانوں پر

عربی کا اثر فرانسیسی ۔ ۔ ۔ اطالوی ۔ رُوسی اور دیگر زبانوں پہ کیا ہُوا ؛ مَیں نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اِن زبانوں سے ناآشنا ہُوں۔ البتہ اُس اثر سے بڑی حد تک واقف ہُوں۔ جو انگریزی ۔ فارسی ۔ اور ہندی پہ پڑا۔ انگریزی کے سینکڑوں الفاظ عربی سے ماخوذ ہیں ۔ اِن میں سے بعض کی اصلی ہیئت باقی رہی۔ اور بعض میں کچھ تغیّر آ گیا۔

چند مثالیں حاضر ہیں :۔

عربی	انگریزی	اُردو
اَرض	اَرتھ	زمین
جبل الطارق	جبرالٹر	جبرالٹر

عربی	انگریزی	اُردو
اِنفلوُانزا	انزالُ اَلاَنف	ناک بہنا
بئش	BASE	بُرا۔خراب
کفن	کافن	کفن
مَکر	ماکرِی	مکاّری۔مکر
صَوت	شاوُٹ	آواز۔صدا
اَیدٌ	ایڈ	اِمداد۔ہاتھ
شاق	شاک	صَدمہ
جَمل	کیَمَل	اُونٹ
نصال	لانشی	برچھا

ہسپانوی زبان میں عربی کا اَل آج بھی موجود ہے۔ مثلاً :-

عربی	ہسپانوی
وادِی الکبیر	QUADAL QUVIR. (ایک دریا کا نام)
اَلبِرکہ (حوض)	ALVERCA.
اَلبُحَیرہ	ALBUERA.
وادِی الحجارہ	QUADAL AJARA.

مالٹا میں مُسلمان ۸۷۰ء میں پہنچے تھے۔ یہ وہاں دوسو برس تک رہے۔ وہاں کی زبان میں آج بھی عربی کے سینکڑوں لفظ موجود ہیں۔

مثلاً :-

عربی	مالٹی	اُردو
خُبْز	خُبْز	روٹی
ماء	ماء	پانی
زَیت	زیت	تیل
طِفل	طِفل	لڑکا
مِلح	مِلح	نمک
خیاط	حیاط	درزی

ہالینڈ کے ایک فاضل موسیو ڈوزی (۱۸۸۳ء) نے اُن پرتگالی اور ہسپانوی الفاظ کی ایک لغات تیار کی ہے۔ جو عربی سے ماخوذ ہیں۔

یہی مصنف لکھتا ہے[1]، کہ :

"فرانسیسی و اطالوی زبانوں میں عربی کے لاتعداد الفاظ شامل ہیں۔ اطالوی علمِ جہازرانی کی اکثر اصطلاحات عربی سے لی گئی ہیں۔"

عربی اور فارسی

فارسی میں عربی الفاظ کا تناسب کیا ہے؟ اِس کا اندازہ لگانے کے لیے یہاں میں دو کتابوں کا ایک ایک اِقتباس پیش کرتا ہوں۔ پہلا سعدی کی

---

[1] : تمدّنِ عرب - صفحہ ۴۰۳

گلستان سے ہے۔ جو آج سے سات سو سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اور دوسرا پروفیسر عباس اقبال (تہران یونیورسٹی) کی "طبقاتِ سلاطینِ اسلام" سے ہے۔ جو ۱۹۲۳ء میں طبع ہوئی تھی۔

اس صدی کے آغاز سے ایران میں پارسیٔ سرہ کی تحریک چل رہی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ فارسی سے تمام عربی الفاظ نکال دیئے جائیں۔ اس تحریک سے ایران کا ہر صاحبِ قلم متاثر ہوا۔ لیکن با این ہمہ اس کتاب کی کوئی سطر ایسی نہیں، جس میں عربی الفاظ موجود نہ ہوں۔

ان اقتباسات کے تمام خط کشیدہ الفاظ عربی ہیں:

اقتباس از گلستان

منت خدائے را عز و جل کہ طاعتش
موجب قربت است۔ و بہ شکر اندرش
مزید نعمت۔ ہر نفسے کہ فرو می رود۔
ممد حیات است و چوں برمی آید
مفرح ذات۔

(گلستان - ابتدائی سطور)

کل الفاظ :- ۳۳ - ان میں عربی الفاظ :- ۱۷ ہیں

اقتباس از طبقاتِ سلاطینِ اسلام

"کتاب حاضر عین آں فہرست ہا و

نسب ہا نسبت و مطالب اضافی دارد ۔
چہ علاوہ برآں کہ برائے تحقیق سنوات
بارِ دیگر بمنابع اِسلامی مُراجعہ کردہ و
یک عدہ از سلسلہائے کہ در فہرست
مسکوکات عنوانے نداشتہ اند ۔ در
ایں جا آوردہ ام ۔

(طبقات ۔ مقدمۂ مولّف ۔ ص۱)

تعداد الفاظ ۴۴ ۔ عربی الفاظ ۲۰

• عربی اور ہندی

یہی حال ہندی کا ہُوا ۔ کہ عربی الفاظ کی آمیزش سے شمالی اور وسطی ہند میں ایک نئی زبان پیدا ہوگئی ۔ جو مدراس سے تورخم تک بولی اور سمجھی جانے لگی ۔ اِس کا نام اُردو ہے ۔ یہ آج سے پانچ سو سال پہلے پیدا ہوئی تھی ۔ اور اِس میں اب تک بارہ لاکھ سے زیادہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں ۔

• یورپ میں عربی علوم کا شوق

جنرل طارق نے ۷۱۱ء میں ساحلِ اُندلس پہ قدم رکھا تھا ۔ جب

وہاں اسلامی سلطنت قائم ہوگئی۔ ہر جگہ درس گاہیں اور لائبریریاں کھل گئیں ــ دائیں بائیں علم پھیلنے لگا۔ تو پہلے وہاں کی مقامی آبادی متاثر ہوئی اور بعدازاں ارد گرد کے ممالک۔

گو آج بارہ سو سال کے بعد یہ بتانا دشوار ہے، کہ یورپ کے غیر مسلموں میں عربی علوم کے فاضل کتنے تھے؟ وہ کہاں تھے؟ اور ان کے نام کیا تھے؟ تاہم تاریخ میں کچھ ایسے نام بار بار آتے ہیں، جنھوں نے عربی علوم کے فروغ میں حصّہ لیا۔

ان میں سے چند نام بہ ترتیب زمانہ یہ ہیں :-

۱ : ابنِ مَسَرَّہ (۸۸۳ـ ۹۳۱ء) سپین کا ایک فلسفی صوفی تھا۔ اس پر سپین (مالقہ) کے ایک یہودی اَوِسَبِرَان نے عربی میں ایک کتاب لکھی تھی۔ جسے بارھویں صدی عیسوی میں اَیوِن ڈِلِیش نے لاطینی میں منتقل کیا۔[1]

۲ : اندلس[2] کے اُموی خلیفہ اَلحَکَم۔ دوم (۹۶۱ءـ ۹۷۶ء) کے زمانے میں ایک پادری گوتِ مار نے عربی زبان میں تاریخ یورپ لکھی تھی۔ ایک اور پادری ہیَیرَب نے ایک عربی تقویم کا ترجمہ کیا تھا۔ اور دونوں نے اپنی تصانیف خلیفہ اَلحَکَم کے نام منسوب کی تھیں۔

۳ : مسلمانوں[3] نے جنوبی اٹلی کے ایک شہر سَلِرنَو میں ایک طبی سکول

---

[1] : انٹروڈکشن ٹو ہسٹری آف ویسٹرن یورپ از شاٹ ویل۔ ص ۵۵

[2] : تشکیلِ انسانیت

[3] : تمدّنِ عرب۔ ص ۲۵۱

جاری کیا تھا، اور افریقہ کے ایک عیسائی عالم قسطنطین افریقی (۱۰۸۰ء — بزندہ) کو اُس کا پرنسپل مقرر کیا تھا۔ یہ عربی کا عالم تھا۔ اس نے عربی کی اسّی کتابیں لاطینی میں منتقل کی تھیں۔

۴ : گیارھویں[1] صدی میں جب نارمنڈی کے ولیم (۱۰۸۷ء) نے برطانیہ کو فتح کیا۔ تو یہ اپنے ساتھ چند ایسے یہودی علماء بھی لے گیا۔ جو عربی علوم کے فاضل تھے۔ انھوں نے برطانیہ میں عربی کے چند مدارس کھولے۔ جن میں سے ایک آکسفورڈ میں تھا: یہی وُہ مدرسہ ہے۔ جس میں دو سو سال بعد برطانیہ کے مشہور سائنس دان راجر بیکن (۱۲۹۴ء) نے تعلیم حاصل کی تھی۔ راجر آکسفورڈ میں پروفیسر بھی رہا۔ یہ اپنے طلباء سے کہا کرتا تھا، کہ حقیقی علم حاصل کرنا ہے تو عربی سیکھو۔

۵ : برطانیہ[2] کے ایک عالم ایڈلِ ہارڈ (۱۱۲۶ء) نے خوارزمی کی الواحِ ہیئت کو لاطینی میں منتقل کیا۔

۶ : اِٹلی[3] کے ایک فاضل جیئرز (۱۱۲۸ء) نے سائنس کی چند عربی کتابیں لاطینی میں ترجمہ کیں۔

۷ : رابرٹ[4] آف چیسٹر (۱۱۴۴ء) نے خوارزمی کی کتاب الجبر والمقابلہ کا

---

[1] : تشکیل ص۲۶۰

[2] : ایج آف فیتھ - از وِل ڈیُوران ص۹۱۰

[3] : ایج آف فیتھ - ص۹۱۰

[4] : ایج آف فیتھ

ترجمہ لاطینی میں کیا۔ اِس کتاب کا ایک اور لاطینی ترجمہ بھی ہوا۔ جس کا ذکر شمارہ ۱۲ کے تحت ہو گا۔

ابُو عبداللہ محمد بن موسےٰ خوارزمی (۸۴۴ء) عہدِ مامُون کا منجم و محاسب تھا۔ جس نے یورپ میں بڑی شہرت حاصل کی۔

۸ : پلاٹو آف ٹوالی (۱۱۴۵ء) نے ابراہیم بن حیّہ یہُودی کی کتاب الحساب کو جو عربی سے ترجمہ ہُوئی تھی، لاطینی میں مُنتقل کیا[1]

۹ : ۱۱۳۰ء میں طُلَیطلہ (اندلس) کے ایک پادری ریمنڈ مارٹن (۱۱۵۰ء۔ زندہ) نے جو تفسیر۔ حدیث۔ فقہ اور فلسفہ وغیرہ کا فاضل تھا۔ امام غزالی (۱۱۱۱ء) کی کتاب تہافۃُ الفلاسفہ کا اختصار تیار کیا۔ اس نے طُلَیطلہ میں تصنیف و ترجمہ کا ایک ادارہ بھی قائم کیا تھا۔ جس میں ابنِ رُشد (۱۱۹۸ء)، سینا (۱۰۳۷ء)، اور رازی (۹۲۵ء) کے علاوہ یُونانی فلسفیوں کے عربی تراجم لاطینی میں مُنتقِل ہوتے تھے۔ اِس ادارے کی تخلیقات تین سو سے زائد تھیں۔[2]

۱۰ : ابراہیم[3] بن عذرا اندلس کا ایک یہُودی عالِم تھا۔ جو ۱۱۵۸ء میں برطانیہ پہنچا، اور وہاں مُدتوں عربی میں درس دیتا رہا۔

۱۱ : جیرارڈ[4] (۱۱۸۷ء) عربی علُوم کا بہت بڑا فاضل تھا۔ اٹلی کے

---

[1] : ایچ آف فیتھ۔

[2] : تمدّن۔ ص ۵۱۴

[3] : تشکیل۔ ص ۲۶۰

[4] : تشکیل۔ تمدّن۔ میراث کے مختلف صفحات۔

ایک شہر کریمونہ کا رہنے والا - اِس نے کُتب ذیل کو لاطینی میں منتقل کیا:-

ا : جابر بن حیان (۸۳۰ء) کی السبعین -

ب : ابُو بکر رازی (۹۲۵ء) کی کتاب الاسرار -

ج : ابنِ طفیل ابُو بکر محمد بن عبدالملک غرناطی (۱۱۸۵ء) کی چند تصانیف -

۱۲ : اندلس[1] کے یہُود ابن سال (۱۱۹۰ء) نے چند عربی کتابوں کو عبرانی میں ڈھالا -

۱۳ : اٹلی[2] کے ایک ریاضی دان، لیوُنارڈ فیبوناچی (۱۲۲۲ء - زندہ) نے خوارزمی کا الجبرا لاطینی میں ترجمہ کیا -

۱۴ : سسلی کا جرمن زاد فرمانروا فریڈرک دوم (۱۱۹۸ء - ۱۲۵۰ء) بڑا ہی علم دوست تھا - جب اُسے معلوم ہوا کہ اندلس کا ایک یہودی گھرانہ عربی علوم میں بڑی شہرت کا مالک ہے - تو اُس گھر کے تمام عُلماء کو اپنے ہاں بُلا لیا - اُن میں سے ایک یہُود بن سُلیمان نے طلب الحکمۃ لکھی - جس میں ابنِ رُشد (۱۱۹۸ء) کے فلسفیانہ افکار تھے، اور یعقُوب بن مریم نے ابنِ رُشد کی کئی تصانیف کا عبرانی ترجمہ کیا -[3]

---

[1] : ایج آف فیتھ - صہ ۹۱۰

[2] : ایج آف فیتھ - صہ ۳۱۰

[3] : میراث - صہ ۲۷۵

۱۵ : مائیکل سکاٹ نسلاً سکاچ تھا۔ یہ ۱۲۰۰ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۲۵۰ء کے بعد وفات پائی۔ اس نے اندلس۔ فرانس اور اٹلی کی اسلامی درس گاہوں میں تعلیم حاصل کی اور پھر فریڈرک۔ دوم کا درباری بن گیا۔ اس نے ابنِ رُشد (۱۱۹۸ء) کی کئی کتابوں کی شرحیں لکھیں۔ نیز سینا کی القانون[1] اور عربی کی متعدد طبیی۔ مابعد الطبیعی۔ فلکی اور اخلاقی کتابیں لاطینی میں منتقل کیں۔

۱۶ : اندلس کے ایک یہودی بناقشہ (۱۲۵۵ء۔ زندہ) نے ابنِ[2] رُشد (۱۱۹۸ء) کی الکلیات فی الطب اور چند دیگر تصانیف کو لاطینی میں ڈالا۔

۱۷ : اٹلی[3] کا ایک فلسفی پادری تماس اکیناس (۱۲۲۵ء۔ ۱۲۷۴ء) اور مشہور جرمن فلسفی البرٹس میگنوس (۱۲۰۶ء۔ ۱۲۸۰ء) عربی مدارس کے فارغ التحصیل تھے۔ ان دونوں نے فلسفہ پہ کتابیں لکھیں اور فارابی (۹۵۱ء) سینا (۱۰۳۷ء) اور الکندی (۹۰۱ء) کے دلائل کو بجنسہ لے لیا۔ یہ سینا ہی تھا، جس نے یورپ کو علمِ طب بھی دیا اور ہیئت و فلسفہ بھی۔ یعنی اس[4] نے فلسفی بھی پالے اور گلیلیو جیسے ہیئت دان بھی۔

۱۸ : ابوبکر رازی (۹۲۵ء) تقریباً دو سو کتابوں کا مصنف تھا۔

---

[1] : میراث ۔ ص۲۲۹

[2] : میراث ۔ ص۲۴۰

[3] : تشکیل ۔ ص۲۸۸

[4] : میراث ۔ ص۲۲۵

اِن میں طِب پر ایک کتاب اَلحَاوِی بیس جلدوں میں تھی۔ اِس کا لاطینی ترجمہ سِسلی کے ایک یہودی ابُولفرج بن سالم (۱۲۷۹ء — زندہ) نے کیا۔

۱۹: ابنِ زُہر (۱۱۶۲ء) اشبیلیہ کا ایک طبیب تھا۔ ابنِ رُشد کا دوست۔ کتاب التَّیسِیر کا مصنّف۔ اور جالینُوس کے بعد سب سے بڑا طبیب۔ اِس کی کتاب التَّیسِیر کا لاطینی ترجمہ ایک برطانوی فاضل[1] پیٹراوی سیئش (۱۲۸۰ء — زندہ) نے کیا تھا۔

۲۰: سپین[2] کا ایک بادشاہ اَلفونسو۔ دہم (۱۲۵۲ء — ۱۲۸۴ء) عربی علوم کا بہُت گرویدہ تھا۔ اِس نے حضور صلعم کی سیرت لعل و گُہر کے خواص اور شطرنج پر ایک ایک کتاب لکھی تھی۔ نیز ہسپانوی شاعری کا ایک مجموعہ تیار کرایا تھا۔ جو اِسکوریل[3] لائبریری میں موجُود ہے۔ اِسی کے حُکم سے[4] کلیلہ دِمنہ کا عربی ترجمہ (از ابنُ المُقفّع — ۷۶۰ء) ہسپانوی میں مُنتقل ہُوا تھا۔

---

[1]: ایج آف فیتھ - ص ۳۳۰

[2]: میراث - ص ۳۱

[3]: اندلس میں مُسلمانوں کے زوال کے بعد وہاں کے عیسائی بادشاہ فلپ دوم (۱۵۵۶ء — ۱۵۹۸ء) نے مذرڈ میں ایک لائبریری قائم کی۔ جو آج تک موجُود ہے۔ یہ اِسکوریَل لائبریری کہلاتی ہے۔

[4]: میراث - ص ۱۶۶

۲۱ : سپین[1] میں رینڈ نام کے دو عالم تھے۔ ایک رینڈ مارٹن (۱۵۰۰ء زندہ) اور دوسرا رینڈ لل (۱۲۳۵ء - ۱۳۱۵ء)۔ پہلے نے ایک ادارۂ تالیف و تصنیف قائم کیا۔ اور دُوسرے نے اسلامی علوم کا ایک مدرسہ۔ آخر الذکر نے غزالی کی تہافتہ الفلاسفہ کا اختصار بھی لکھا۔

۲۲ : پرتگال کے پرنس[2] ہنری (۱۳۹۴ء - ۱۴۶۰ء) نے ایک بحری اکاڈمی قائم کی تھی۔ جس میں عرب اور یہودی علماء مل کر کام کرتے تھے۔ یورپ کا وُہ مشہور پرتگالی ملاّح واسکوڈی گاما (۱۵۲۴ء) جس نے ہندوستان کا راستہ معلوم کیا تھا۔ اسی درس گاہ کا تعلیم یافتہ تھا۔

بات یوں ہوئی، کہ جب واسکو ۱۴۹۸ء میں کینیا (مشرقی افریقہ) کی ایک بندرگاہ ملیندی میں پہنچا۔ تو وہاں مشہور عرب ملاّح احمد بن ماجد (غالباً ۱۵۰۰ء) بھی موجود تھا۔ ان کی آپس میں ملاقات ہوئی، اور احمد نے اسے ہندوستان کا راستہ بتایا۔ اس نے خلیج فارس۔ بحرِ ہند اور بحرالکاہل میں سفر کرنے والوں کے لیے ایک کتاب بھی "کتابُ الفوائد" کے عنوان سے لکھی تھی۔ اس میں ان سمندروں کے تمام پُرخطر مقامات کا ذکر تھا۔ نیز محفوظ راستے کے مکمل نشانات —— قطب نما کا موجد بھی یہی ہے۔

---

[1] : میراث - ص ۲۷۲

[2] : تشکیل - ص ۳۶۳

۲۳: ۱۴۷۳ء[1] میں فرانس کے بادشاہ لوئی۔یازدہم (۱۴۶۱ء۔۱۴۸۳ء) نے ایک حکم جاری کیا۔ کہ ابن رشد کا فلسفہ فرانس کے تمام مدارس میں پڑھایا جائے۔ اٹلی کی ایک یونیورسٹی پڈوا میں بھی اس کا فلسفہ کچھ مدت تک شامل نصاب رہا۔

۲۴: اٹلی کے ایک عالم اینڈریو الپاگو (۱۵۲۰ء) نے سینا کی القانون۔ نیز دو اور کتابوں کو لاطینی میں منتقل کیا۔

۲۵: برطانیہ کے ایک عالم ولیم بیڈویل (۱۵۶۱ء۔۱۶۳۲ء) نے سات جلدوں میں عربی کا ایک لغات تیار کیا تھا۔ نیز ان عربی الفاظ کی ایک فہرست بھی بنائی تھی۔ جو یورپی زبانوں کا ایک حصہ بن چکے ہیں۔ نیز عربی کی اہمیت پر ایک مقالہ[2] لکھا تھا۔

۲۶: تیمور کے پوتے الغ بیگ (۱۴۴۹ء) نے سمرقند میں ایک رصدگاہ بنوائی تھی۔ اور ۱۴۳۷ء میں چند علمائے ہیئت کو مشاہدۂ فلک پر مامور کیا تھا۔ ان لوگوں نے ستاروں کے نقشے تیار کیے۔ جو الواح الغ بیگ کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۶۵۰ء میں برطانیہ کے دو سکالر جے۔ گریوز اور ٹی۔ ہائیڈ نے ان الواح کو ایڈٹ کر کے لاطینی ترجمے سمیت لندن سے شائع کیا۔ ۱۸۴۶ء میں موسیو سیدی لاٹ نے ان کا فرانسیسی ترجمہ کیا۔

---

[1]: شاٹ ویل:۔ انٹروڈکشن ٹو ہسٹری آف ویسٹرن یورپ۔ ص ۵۵

[2]: ڈاکٹر برنارڈ لوئس کی نشری تقریر۔ از بی بی سی لنڈن۔ طبع ۱۹۴۷ء۔

۲۷ : جان گرِ یوز (۱۶۵۲ء) آکسفورڈ میں علمِ ہئیت کا معلم تھا۔ اس نے عربی علوم کے لیے مصر و بغداد کا سفر کیا۔ پھر عربی صرف و نحو لکھی۔ اور عربوں کی چند کُتب ریاضی بھی ایڈٹ کیں۔
(ڈاکٹر برنارڈ لُوئیس)

۲۸ : جان سِلڈن (۱۵۸۴ء — ۱۶۵۴ء) برطانیہ کا ایک قانون دان تھا جو برسوں پارلیمنٹ کا ممبر بھی رہا۔ اِس کے پاس عربی مخطوطات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ اِس نے عربی کی ایک تاریخی کتاب کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ (برنارڈ لُوئیس)

۲۹ : ایڈمنڈ کاسٹل (۱۶۰۶ء — ۱۶۸۵ء) کیمبرج میں پروفیسر تھا اس نے :-

۱ : عربی زبان کی اہمیّت پہ ایک کتاب لکھی۔

۲ : یہ عربی کا شاعر بھی تھا۔ اِس نے اپنا عربی دیوان انگلستان کے بادشاہ چارلس دوم (۱۶۶۰ء — ۱۶۸۵ء) کی طرف منسُوب کیا۔

۳ : سامی زبانوں کا ایک ضخیم لغات اٹھارہ برس میں تیار کیا۔ جو ۱۶۶۹ء میں شائع ہُوا۔

۳۰ : ایڈورڈ پوکاک (۱۶۰۴ء — ۱۶۹۱ء) شام و مصر کی عربی درس گاہوں میں مُدتوں پڑھتا رہا۔ ۱۶۳۶ء کے قریب آکسفورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہُوا۔ کچھ عرصہ پہلے یہ شام سے اِنجیر کا ایک پودا لایا تھا۔ جو اُس نے آکسفورڈ میں لگا دیا تھا۔ جب یہ پروفیسر مقرر ہُوا تو وہ پودا

جوان ہو چکا تھا۔ اور یہ اُس کے سائے میں بیٹھ کر پڑھتا اور لکھتا تھا۔

اِس کی تصانیف یہ ہیں :-

۱ : ابُوالفرج بن سالم کی اَلمُختَصَر فی الدُّوَل کا پہلے خلاصہ لکھا، اور پھر ترجمہ کیا۔

۲ : مشہُور عربی قصیدہ لامیتہ العجم کی شرح لکھی۔

۳ : بڑی تعداد میں عربی موضوعات پہ مقالے لکھے۔

(ایضاً)

۳۱ : سائیمن اوکلے (۱۷۲۰ء) پوکاک کا شاگرد تھا۔ اور کیمبرج میں پروفیسر۔ اِس نے اِسلام کی سیاسی و تمدنی تاریخ تین جلدوں میں لکھی۔ ابنِ طفیل کی حیّ بن یقظان کا ترجمہ کیا، اور اِسلامی علوم پہ ایک کتاب لکھی۔

(ایضاً)

۳۲ : ایڈورڈ پوکاک کا بیٹا، پوکاک (۱۶۴۸ء - ۱۷۲۷ء) بھی علومِ عرب سے شغف رکھتا تھا۔ اِس نے ابنِ طفیل کی ایک کتاب نیز عبداللطیف کی تاریخِ مصر انگریزی میں منتقل کی۔

(ایضاً)

۳۳ : ایک اور برطانوی عالم پرِیڈو (PRIDEAUX ۱۶۴۸ء — ۱۷۲۸ء) نے رسُولِ اکرم صلعم پہ ایک کتاب لکھی۔

(ایضاً)

۳۴ : جارج سیل (۱۶۹۷ء — ۱۷۳۶ء) انگلستان کا ایک وکیل تھا۔ اس نے اوقاتِ فرصت میں عربی سیکھی اور پھر قرآنِ مجید کا انگریزی ترجمہ کیا۔

(ایضاً)

۳۵ : ایک اور انگریزی عالم چاپلو (CHAPPELOW ۱۶۸۲ء — ۱۷۶۸ء) نے طغرائی کے قصیدہ لامیۃُ العجم اور مقاماتِ حریری کو انگریزی میں منتقل کیا۔ (ایضاً)

۳۶ : سَر ولیم جونز (۱۷۴۶ء — ۱۷۹۴ء) نے عرب بدؤں اور وہابیوں پہ ایک کتاب لکھی۔ نیز امثال العرب کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ (ایضاً)

۳۷ : بصرہ کے ایک تاجر نے جو تجارت کی غرض سے ہند و چین گیا تھا، سالـ۸۵۱ـہ میں سفرنامۂ ہند و چین لکھا۔ جسے فرانس کے مشہور فاضل موسیو ریناں (۱۸۹۲ء) نے ۱۸۴۵ء میں فرانسیسی میں منتقل کیا۔

(تمدّن ۔ صـ۴۲۷ـ)

۳۸ : خیام (۱۱۱۲ء) کے الجبرا کا فرانسیسی ترجمہ الیف۔ ووپیک نے سـ۱۸۵۱ـنہ میں کیا۔

(ایج آف فیتھ ۔ صـ۳۲۱ـ)

۳۹ : یاقوتؒ حموی (۱۲۲۹ء) کی دو کتابیں بڑی مشہور ہیں۔

لہ : نکلسن :۔ تاریخِ ادب عربی ۔ صـ۲۵۷ـ ۔

معجم البلدان دس جلد۔ اور معجم الادباء بیس جلد۔ اوّل الذکر کو ایک جرمن عالم وُسٹن فیلڈ نے ۱۸۶۶ء میں لیپزگ سے شائع کیا۔ اور مؤخر الذکر کو پروفیسر مارگولیتھ (برطانیہ) نے۔

۴۰ : ابن خلکان۔ ابن حوقل اور اصطخری کی تصانیف ڈی۔ گوجے نے ۱۸۸۰ء میں لائیڈن سے شائع کیں۔

۴۱ : لین (LANE) کے نام سے دو برطانوی عالم بہت مشہور ہوئے ہیں۔

ایک : ای۔ ڈبلیو۔ لین (۱۸۰۱ء — ۱۸۷۶ء) اور
دوسرا : سٹینلے لین پول۔

پہلا عربی سیکھنے کے لیے تین برس مصر میں رہا۔ پھر عربی الف لیلہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ مصریوں پہ ایک کتاب بھی لکھی۔ اس کے بعد ۱۸۴۲ء میں ایک عربی لغت لکھنا شروع کی۔ جسے وہ موت تک مکمل نہ کر سکا۔ اس کی آخری دو جلدیں اس کے بھتیجے سٹینلے لین پول (۱۹۲۵ء — زندہ) نے لکھیں۔ یہ لغات ایک عظیم علمی شاہکار ہے۔ جہازی تقطیع کی آٹھ جلدوں پہ مشتمل نہایت مفصل اور قابلِ اعتماد۔ میں نے اس سے بارہا فائدہ اٹھایا۔

دوسرا لین، کئی کتابوں کا مصنف تھا۔ ان میں سے ایک یعنی "محمڈن ڈائناسٹیز" کا اردو ترجمہ میں نے فرماں روایانِ اسلام کے نام سے کیا تھا۔

لہ : بی۔ جے۔ برل کی فہرست مطبوعات۔

۴۲ : ایڈورڈ ہنری پامر (۱۸۸۲ء) کیمبرج میں پروفیسر تھا۔ یہ عربی کا شاعر بھی تھا۔ جب شاہِ ایران نے برطانیہ کا دورہ کیا۔ تو پامر نے اِس دورے پر اُردو میں ایک مضمون لکھا۔ جو ہندوستان کے ایک رسالے میں شائع ہُوا تھا۔

اس کی تصانیف یہ ہیں :-

۱ : عربی گرامر۔
۲ : ہارُون الرشید کے حالات۔
۳ : مِصری شاعر بہاءُالدین زُہیر کے کلام کا منظوم انگریزی ترجمہ۔
۴ : فارسی لغات۔
۵ : ایک کتاب صحرائے سینا پر۔
۶ : کیمبرج لائبریری کے عربی و فارسی مخطوطات کی فہرست۔
۷ : کئی کتابوں کا انگریزی ترجمہ۔

۴۳ : پروفیسر ولیم رائٹ (۱۸۴۰ء — ۱۸۸۹ء) نے ابنِ جبیر کا سفر نامہ شائع کیا۔ دو جلدوں میں عربی گرامر لکھی۔ مُبرّد کی الکامل ایڈٹ کی۔ اور المقّری کی تاریخِ اندلس کی اشاعت میں ڈوزی (۱۸۸۳ء) کا ہاتھ بٹایا۔

(ایضاً)

۴۴ : ۱۸۹۰ء کے قریب ایک فرانسیسی عالم اُو۔ ہَودِس نے جابر بن حیّان کی نو کتابوں کو ایڈٹ کیا۔ (برل کی فہرستِ مطبُوعات)

• طویل کہانی

یہ کہانی بہت طویل ہے۔ مختصراً یہ کہ :

یورپ میں اسلامی علوم سے دلچسپی بڑھتی ہی گئی۔ انیسویں صدی میں جرمنی۔ فرانس۔ ہالینڈ۔ برطانیہ سے سینکڑوں عربی کتابیں شائع ہوئیں۔ اور بیسویں صدی میں اس میں اس حد تک اضافہ ہوا، کہ اب شاید ہی کوئی ایسی عربی کتاب ملتی ہو جو یورپ سے شائع نہ ہو چکی ہو۔ اس کا کچھ اندازہ ای۔ جے۔ برل (لائڈن) کی فہرستِ مطبوعات سے ہو سکتا ہے۔ جس کی اندازاً چار سو جلدیں اب تک نکل چکی ہیں۔ ہر جلد میں کوئی اڑھائی ہزار کتابوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے بیشتر یا تو مسلم مصنفین یعنی سینا۔ رازی۔ غزالی وغیرہ کے متون ہیں، جن کی ایڈیٹنگ مستشرقین نے کی۔ یا ان کے ترجمے ہیں، اور یا اسلامی موضوعات پر کسی مستشرق کی کوئی کتاب۔ یہاں بطورِ نمونہ چند کتابوں کا ذکر کرتا ہوں۔

• یورپ میں عربی کتابوں کی اشاعت

(انیسویں صدی)

ان مطبوعات میں سے بعض کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

مثلاً :-

- لین — پامر، اور
- ولیم رائٹ کی تخلیقات۔

بعض دیگر یہ ہیں :-

رموز :- (تد) سے مراد تدوین (تر) سے ترجمہ، اور (مص) سے مصنّف ہے۔

شمار	عربی کتاب کا نام مع مصنّف	مدوّن یا مترجم	سالِ طبع
۱	بَغوی : مِشکوٰۃُ المصابیح	(تر) اے-این متھیوز	۱۸۰۹ء
۲	ابُوالفِدا : تاریخ	(تد) اُمبریت ایف-جی-سی	۱۸۱۶ء
۳	ابنِ بطوطہ : رِحلہ	(تد) ایچ-اَپٹز (APETZ)	۱۸۱۹ء
۴	حریری : مقامات	(تد) سی-آر-ایس پائی پرٹ	۱۸۳۲ء
۵	اَلمَقرّی : نفح الطیب (مُسلم سلاطینِ اندلس)	(تر) پی-ڈی-گے این گاس (GAYANGOS)	۱۸۴۰ء
۶	ابنِ خلدون : تاریخ	(تد) اے-نوٹل	۱۸۴۱ء
۷	ابنِ خلّکان : وَفیات الاعیان	(تد) جی-ڈی-سلین (SLANE)	۱۸۴۲ء

شمار	عربی کتاب کا نام مع مصنف	مدون یا مترجم	سالِ طبع
۸	ابو تمام : حماسہ	(تد) ایف۔ رکرٹ	۱۸۴۶ء
۹	ابنِ قتیبہ : کتاب المعارف	(تد) ایف ووسٹن فلڈ	۱۸۵۰ء
۱۰	التنسی : تاریخ بنی زیان	(تد) جے۔ جے۔ ایل۔ برجس۔	۱۸۵۲ء
۱۱	ابن الخطیب لسان الدین : الاحاطۃ فی تاریخ غرناطہ	(تد) ایف۔ جے۔ بیمونٹ۔	۱۸۶۰ء
۱۲	البلاذری : فتوح البلدان	(تد) جی۔ ڈ۔ گوجے	۱۸۶۶ء
۱۳	ابو الفرج : کتاب الاغانی	(تد) مختلف ایڈیٹرز	۱۸۶۸ء
۱۴	دیوانِ اخطل	(تد) ایم۔ ٹی۔ ہاؤسما (HOUSTMA)	۱۸۷۸ء
۱۵	ابنِ خلدون کے فلسفۂ تاریخ پر	(مص) فان کریمر	۱۸۷۹ء
۱۶	رامہرمزی : کتاب عجائب الہند	(تد) ایل۔ ایم۔ ڈیوِک	۱۸۸۳ء

شمار	عربی کتاب کا نام مع مصنف	مدوّن یا مترجم	سالِ طبع
۱۷	دیوانِ ابو محجن	(تد) ایل ایبل	۱۸۸۷ء
۱۸	ابو حنیفہ دیناوری : الاخبار الطوال	(تد) ڈبلیو۔ گرگاس	۱۸۸۸ء
۱۹	جابر بن حیان کی نو کتابیں	(تر) او۔ ہوڈس	۱۸۹۳ء
۲۰	جاہلیت اور رسومِ عرب پہ کئی کتابیں	رابرٹ۔ سی۔ سمتھ	۱۸۹۴ء
۲۱	ابنِ مسکویہ : کتابُ آدابِ العرب والفرس	(تد) آر۔ باسط (R. BASSET)	۱۸۹۸ء
۲۲	الفُ لیلہ : (عربی)	(تر) آر۔ ایف۔ برٹن۔	۱۸۹۹ء

نوٹ :-

الفُ لیلہ کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ جن میں سے ۲۹ ایڈیشنوں کا ذکر ای۔ جے۔ برل کی فہرست میں ہے۔

• **بیسویں صدی کی مطبوعات**

جیساکہ پہلے کہہ چکا ہوں، بیسویں صدی میں یورپ سے اتنی عربی

کتابیں شائع ہوئیں، کہ ان کا تفصیلی ذکر کروں۔ تو کئی مجلدات میں بھی نہ سمائے۔ یہاں مَیں چند کتابوں کے ذکر پہ اکتفا کرتا ہوں۔ تاکہ کسی وقت کوئی باہمت محقق اِس سلسلے کو آگے بڑھا کر اس دِلکش موضوع پر جامع و مانع کتاب لکھ سکے۔

شمار	عربی کتاب مع مصنّف	مدوّن۔ مترجم یا مصنّف	سالِ طبع
۱	فارابی : کتابُ فی آراءِ اہلِ المدینۃ الفاضلۃ	الیف۔ ڈیٹرسی (DIETERICI)	۱۹۰۰ء
۲	جاحظ : کتابُ البُخلاءِ	جی۔ فان۔ فلوٹن (VLOTEN)	۱۹۰۰ء
۳	ابُوبکر بن احمد الحَسَنی : روضۃ الأخبار۔ (الجیریا کی تاریخ)	نامعلوم	۱۹۰۰ء
۴	غُبرِینی : عُنوانُ الدرایۃ (عُلمائے بجایہ کا تذکرہ)	چینیب (CHANEB)	۱۹۰۰ء
	جاحظ : رسالۃٌ اِلیٰ فتح بن خاقان۔	(تد) جی۔ فان۔ ولٹن	۱۹۰۳ء

شمار	عربی کتاب مع مصنف	مدوّن۔ مترجم یا مصنف	سال طبع
۶	اِبنِ خَلدُون: بُغیَۃُ الرُّوَاد فِی ذِکرِ المُلُوک مِن عبدِالوَاد۔۔ (عبدالواد تلمسان کا خاندان تھا)	(تد) اے۔ بل (BEL)	۱۹۰۴ء
۷	مَعَرّی: دیوان	(تد) ایچ۔ بارلیتن	۱۹۰۹ء
۸	اَلحُسَنی: کتاب القضاۃ بقرطبۃ	جے۔ ر۔ ربیرا	۱۹۱۴ء
۹	النُّوَیرِی: نہایۃُ الارب فِی فنونِ الأدب (ادبِ اندلس کی تاریخ)	(تد) جی۔ ڈرمیرڈ	۱۹۱۷ء
۱۰	اِبنُ العَرَبِی: اَلتَّدبِیراتُ الالٰہیّۃُ فِی اِصلاحِ المملکۃِ الاِسلامِیّۃ۔	(تد) ایچ۔ ایس۔ نائی برگ۔	۱۹۱۹ء
۱۱	ابُو یُوسُف: کتابُ الخراج	(تد) ای فیگنان	۱۹۲۱ء

شمار	عربی کتاب مع مصنف	مدون۔مترجم یا مصنف	سالِ طبع
۱۲	البیرونی : الآثارُ الباقیہ عن القرونِ الخالیہ۔	(تد) ای سخاؤ	۱۹۲۳ء
۱۳	دیوانِ علقمہ	(تد) چینیت	۱۹۲۵ء
۱۴	امام بخاری : صحیح	(تد) ای۔ایل۔ پراونگل	۱۹۲۸ء
۱۵	ابن العذار المراکشی : البیانُ المُغرِب فی اخبارِ المغرب۔	(تد) آر۔ڈوزی	۱۹۳۰ء
۱۶	فارابی : احصاءُ العلوم	گانزلیز (GONZALEZ)	۱۹۳۲ء
۱۷	شیخ عبدالقادر : فتوحُ الغیب	(تد) ڈبلیو۔برانی	۱۹۳۳ء
۱۸	فارابی : کتابُ الموسیقی	(تد) ایچ۔جی۔فارمر	۱۹۳۴ء
۱۹	عباس بن ابراہیم مراکشی : الاعلام بِمَن حَل مراکش واَغمات من الاعلام۔	— نامعلوم	۱۹۳۶ء

شمار	عربی کتاب مع مصنف	مدون۔مترجم یا مصنف	سال طبع
۲۰	ابن الفرات : کتابُ التاریخ	(تد) سی۔کے۔زریک	۱۹۳۶ء
۲۱	اِبنِ حیان : المُقتبس (امویانِ قرطبہ کے حالات)	(تد) ایم۔ایم۔اَنطونا	۱۹۳۷ء
۲۲	ابن العربی : رسالۃُ القدس	(تد) آسن۔پَلیشَش (ASIN PA-LACIOS)	۱۹۳۹ء
۲۳	ابنِ حزم : طوقُ الحمامہ	(تد) ایم۔وِیش وِیلَر	۱۹۴۴ء
۲۴	شعرائے اندلس کے عربی اشعار کا انتخاب۔	(تد) اے۔آر۔نِیکَل	۱۹۴۹ء
۲۵	غزالی : اِحیاء العلوم (فصلِ بیم و رجا)	ولیم مِکّین (MCKANE)	۱۹۶۲ء
۲۶	بَدرُالدِّین عینی : الرّوضُ الطاہر فی سیرۃِ الملک الظّاہر۔	ایچ۔آرنسٹ	۱۹۶۲ء

کوئی کہاں تک لکھے۔ مستشرقین کی تعداد پانچ ہزار سے کم نہیں۔ مذکورہ بالا اسماء کے علاوہ :

براکلمان ، ریموتر ، جتی ، نکلسن ، براؤن ، آربری ، ری لینڈ ، رشیجر ، بلاچیٹ ، بروک ، وزن۔ وی ، روزن تھال ، ہارٹن ، گاربیئر ، لاتھ وغیرہ نے بھی اسلامی علوم پہ بہت کام کیا ہے رہے مسلم مصنفین ، تو ان کی تعداد کا یہ عالم ، کہ سیوطی نے طبقات النحاۃ میں ایسے ساڑھے پانچ سو نحویوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کا نام محمد تھا۔

ابن الفوطی نے معجم الالقاب میں کوئی ساڑھے چار سو کمال الدین نامی علما کے حالات لکھے ہیں۔ تو یہ ہے اسلامی تہذیب کا علمی پہلو۔

● عربی حکایات اور یورپ

عربوں نے حکایات کے کافی مجموعے تیار کیے تھے :

مثلاً :-

- الف لیلہ
- مقاماتِ حریری
- مقاماتِ بدیعی
- حی بن یقظان
- نفحۃ الیمن
- کلیلہ و دمنہ
- قصص الانبیاء
- کتاب الاغانی

٭ عِقدُ الفرید
٭ المُستَطرَف۔
(شہابُ الدین محمد بن احمد التودانی - م - ۱۴۴۶ء) وغیرہ
کلیلہ دِمنہ دراصل سنسکرت کی کتاب تھی۔ جس کا پہلوی (پُرانی فارسی) ترجمہ نوشیرواں (۵۷۴ء) کے زمانے میں ہُوا۔ اور عربی ترجمہ ابن المقفع (۷۶۰ء) نے کیا۔
سپین کے ایک بادشاہ الفونسو۔ دہم (۱۲۵۲ء ـــ ۱۲۸۴ء) کی فرمائش پر (میراث ص۱۹۶) اس کا عربی ترجمہ ہسپانوی زبان میں منتقل ہُوا۔ اور اٹلی کے ایک یہودی جان نے اسے لاطینی میں ڈھالا۔
الف لیلہ سے یورپ سولھویں صدی میں آشنا ہُوا تھا۔ اس کا پہلا ترجمہ ایک فرانسیسی سیاح گالینڈ (۱۷۱۵ء) نے بارہ جلدوں میں کیا تھا۔
گالینڈ عربی حکایات کا بہت دلدادہ تھا۔
ایک دفعہ حلب کا ایک عالم حنّی نامی پیرس میں وارد ہُوا۔ اُس کے پاس عربی حکایات کی چند کتابیں تھیں، اور متعدد حکایات بھی اُسے یاد تھیں۔
گالینڈ نے اُس سے سب کچھ لے کر اس تمام ذخیرے کا ترجمہ کیا۔
مذکورۂ بالا بارہ جلدوں میں آخری چار جلدیں اسی مواد پر مشتمل ہیں۔
گالینڈ کے بعد بھی اس کتاب میں اضافہ ہوتا رہا۔ جو شخص بھی کسی عربی حکایت کو فرانسیسی میں منتقل کرتا۔ وہ اس کتاب کا حصہ بن جاتی۔
سنہ ۱۸۲۳ء میں اسے فان ہیمر نے جرمنی میں، ۱۸۲۶ء میں لیمب نے انگریزی میں منتقل کیا۔ لین کا انگریزی ترجمہ سنہ ۱۸۴۱ء میں شائع ہُوا تھا۔

سر رچرڈ برٹن کا ترجمہ ۱۸۸۶ء میں مکمل ہوا۔ ۱۸۹۷ء میں ایک جرمن ترجمہ چوبیس چھوٹی چھوٹی جلدوں میں شائع ہوا۔ اس کا ترجمہ ہسپانوی۔ اطالوی۔ پولش۔ ڈینش اور روسی میں بھی ہوا ہے۔

کچھ ایسے تراجم بھی ہیں، جن کا تعلق الفُ لیلہ کے بعض حصوں سے ہے۔ مثلاً :-

کسی نے سند باد کا پہلا، کسی نے دوسرا، اور کسی نے تیسرا سفر (وقِسْ علیٰ ھٰذا) شائع کر دیا۔

اس کتاب پر بے شمار لوگوں نے مقالات لکھے ہیں۔ مثلاً :-

- ڈساسی
- فان ہیمر
- ڈی گوجے
- نلڈکے
- کرمنسکی
- ریشیچر
- گالینڈ
- ریزر وغیرہ۔

ان کا تعلق یورپ کے مختلف حصوں سے تھا۔ تفصیل کے لیے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ (لاؤنڈن) دیکھیے۔

یورپ کے بعض نقادوں کا خیال یہ ہے، کہ اگر الفُ لیلہ نہ ہوتی۔ تو نہ آئرلینڈ کے ادیب سوِفٹ (۱۷۴۵ء) کی "گالی ورس ٹریولز" وجود میں آتی اور نہ ڈینیل ڈِفو (۱۷۳۱ء) کی رابنسن کروسو۔"

بعض کی رائے یہ ہے کہ :

" رابنسن کروسو" کا ماخذ ابنِ طفیل اندلسی (۱۱۸۵ء) کی "حیّ بن یقظان" تھی۔ جسے ۱۶۷۱ء میں پوکاک نے لاطینی میں اور ۱۷۰۸ء میں اوکلے نے انگریزی میں منتقل کیا تھا۔

اس موضوع (رابنسن کا ماخذ) پر اے۔ آر۔ پاسٹر نے ۱۹۳۰ء میں ایک کتاب لکھی تھی۔ عنوان تھا :

" دی آئیڈیا آف رابنسن کروسو" (میراث ص ۲۰۱)

یورپ میں الف لیلہ کے کچھ اور ایڈیشن (کچھ مکمل اور کچھ جزوی) بھی نکلے تھے۔ مثلاً :-

سال	مدوّن	شمار
۱۸۸۴ء	ڈبلیو۔ اے۔ گلاؤسٹن۔	۱
۱۸۶۸ء	ایس۔ ہینلے	۲
۱۸۲۸ء	جی۔ ایس۔ ٹربوٹین	۳
۱۹۲۴ء	ایم۔ بی۔ برکش	۴
۱۸۷۲ء	اے۔ کرڈبون	۵
۱۸۸۴ء	او۔ ہاؤڈا	۶
۱۸۹۹ء	جے۔ سی۔ مارڈرس	۷
۱۸۸۸ء	اے۔ شلہانی	۸
۱۹۶۱ء	ایچ۔ پیرس	۹

شمار	مدوّن	سال
۱۰	ڈبلیو - ایچ - کرزبی	.....
۱۱	فان ایچ - اَیل فلیشر	۱۸۲۵ء
۱۲	جی - ویل	۱۸۸۹ء
۱۳	سی - شال	۱۸۴۰ء
۱۴	ڈی - کاڈن	۱۸۹۹ء
۱۵	ڈی - کمپارٹی -	۱۸۶۹ء
	وغیرہ	

یورپ میں ان کتابوں اور ان کے تراجم کا اثر یہ ہوا۔ کہ اُس دور کا ادب عربی سانچے میں ڈھل گیا۔ اٹلی اور اندلس میں مقامات کی طرز پر حکایات لکھی جانے لگیں۔

چاسر کی "سکوئرس ٹیل" دراصل الف لیلہ کی ایک کہانی ہے۔ ڈانٹے کی ڈیوائن کامیڈی واقعۂ معراج کا چربہ تھا۔

اٹلی کے ایک ادیب بوکیشو (۱۳۷۵ء) کی تمام حکایات عربی ادب سے ماخوذ ہیں۔

تیرھویں صدی میں ایک فرانسیسی ادیب FLOIRE نے BLAUC HFLEUR کے عنوان سے ایک ناول لکھا۔ اس میں عربی رنگ کی مجالس جمائیں۔ عربی ساز و سامان سے کام لیا۔ اور ہیرو کا نام قاسم رکھا۔

چودھویں صدی عیسوی کے آغاز میں اندلس کے ایک پادری جان۔زوز نے ایک منظوم کہانی لکھی۔ جس میں عربی اقوال و امثال بکثرت استعمال ہوئیں۔ اس کی بیوی کا نام کریمہ تھا۔

اسی دور کے ایک اور ہسپانوی نے یوسف۔ زلیخا کا قصہ منظوم کیا۔ اس کی زبان ہسپانوی تھی۔ لیکن بحر اور خط عربی۔

ڈان کوئیک سات کی مشہور یورپی کہانی، جس کا اردو ترجمہ "خدائی فوجدار" کے نام سے ہو چکا ہے، کا مصنف ایک مراکشی مسلمان حمید بن عنجل (انجل) تھا۔ اس نے یہ کہانی غالباً عربی میں لکھی تھی۔

گیارھویں صدی میں مصر کے ایک ادیب مبشر بن فاتک نے دانشوران عالم کے اقوال جمع کیے۔ جنھیں کسی نے لاطینی میں ترجمہ کیا، اور پھر یہ ترجمہ،

DICTS AND SAYINGS OF PHILOSOPHERS

کے عنوان سے انگریزی میں منتقل ہوا۔

برطانیہ کے پہلے پریس کا نام کیکسٹن تھا۔ جو ۱۴۹۲ء میں قائم ہوا تھا۔ اس میں سب سے پہلے یہی کتاب چھپی تھی۔ اصفہانی کی کتاب الاغانی کے بھی کئی ایڈیشن نکلے۔ مثلاً :-

۱ : آر۔ ای۔ برنو، وغیرہ کا ایڈیشن۔ سال اشاعت ۱۸۶۸ء اکیس جلدوں میں۔

۲ : جی۔ ایل۔ کازگارٹن کا ایڈیشن۔ سال اشاعت ۱۸۴۰ء

۳ : دار الکتب (؟) کا ایڈیشن۔ (فہرست برل۔ ج ۴۶۰، شمار۔ ۶۹)

قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں عربی ادب کا نفوذ ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھا۔ لاطینی کا مفلس۔ بے جان اور بے کار ادب لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکتا تھا۔ اِس میں نہ لذّت تھی نہ صداقت اور نہ گہرائی۔ دُوسری طرف عربی ادب میں بلا کی توانائی۔ زندگی اور عظمت تھی۔ جسے نظر انداز کرنا یورپ کے لیے آسان نہ تھا۔ یورپ کا یہی وُہ رُجحان تھا، جسے دیکھ کر وکٹر ہیوگر نے کہا تھا :-

"پہلے تمام دُنیا یُونانی تھی، اور اب عربی ہے۔"

(میراث - ص۲۰۶)

اسلامی تہذیب کے عناصر

اِسلامی تہذیب کے اہم عناصر تین ہیں :-

۱ : عِلم

۲ : اِیمان اور

۳ : تقوےٰ

ہمارے اَسلاف نے نہ صرف دُوسروں کا عِلم محفُوظ کیا۔ بلکہ عِلم کی تخلیق بھی کی۔ آغازِ اِسلام ہی میں تصنیف و تالیف کا سِلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ شاعرِ رسالت حضرت حسانؓ بن ثابت کا دِیوان۔ کعبؓ بن زہیر کا قصیدہ (بانت سعاد)۔ حضرت علیؓ کا مجموعۂ خطُوط و خطبات (نہج البلاغہ) نیز اُن کا مجمُوعۂ اشعار۔ حضرت ابُو بکرؓ صدیق، حضرت ابُو ہریرہؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن عاص، حضرت اَنسؓ اور دیگر بیسیوں صحابہ کے مجمُوعہائے حدیث۔ حضُور صلعم کے مُعاہدات و مکتُوبات۔ حضرت ابنِ عباس

کی تفسیر اِس حقیقت پہ شاہد ہیں۔

حضور صلعم کے بعد اِس سلسلے کو صحابہ۔ تابعین اور تبع تابعین نے جاری رکھا۔ جب ہمارے خلفا و سلاطین جہانگیری سے قدرے فارغ ہوئے، تو انھوں نے جا بجا دارالکتب قائم کیے، اور تصنیف و ترجمہ کے ادارے کھولے۔ یہ کام دورِ اُمیّہ ہی میں شروع ہو گیا تھا۔

یزیدِ اوّل (۶۰ھ — ۶۴ھ) کے بیٹے خالد نے ایک دارالترجمہ قائم کیا تھا۔ جس میں آبڑن نامی ایک پادری نگرانی پہ مامور تھا۔ خود خالد بھی مصنف تھا، اور بقولِ ابن الندیم (الفہرست ص۴۹۷) اس نے چار کتابیں لکھی تھیں:

۱ : کتاب الحرارت
۲ : کتاب الصحیفۃ الکبیر
۳ : کتاب الصحیفۃ الصغیر۔ اور
۴ : وصیۃ الی ابنہٖ فی الصنعۃ

خالد سے پہلے امیر معاویہؓ (۴۱ھ — ۶۰ھ) کی خواہش پر ایک عیسائی عالم ابن آثال نے یونانی طب کی کچھ کتابیں عربی میں ترجمہ کی تھیں۔ بعد میں مروانِ اوّل (۶۴ھ — ۶۵ھ) کے حکم سے ماسرجیس یہودی نے اُہرن کی قرابادین کو عربی میں منتقل کیا۔ اس کے بعد ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ھ — ۱۲۵ھ) کے میرمنشی سالم نے ارسطو کے بعض رسائل کا ترجمہ کیا اور یہ سلسلہ پھیلتا ہی گیا۔

خلفائے عباسیہ نے تلاشِ کتب میں ہر طرف آدمی بھیجے تھے۔ جو کتابوں کے انبار لے کر واپس آئے۔

۵

حریمِ خلافت میں اُونٹوں پہ لد کر
چلے آتے تھے مصر و یُونان کے دفتر

(مُسدّس - حالی)

عبّاسیوں نے جہاں بھر کے علماء دربارِ خلافت میں بُلا لیے، اور اُنہیں تصنیف و ترجمہ پر لگا دیا۔ اِن لوگوں نے تھیلز (۶۴۰ ق م) سے لے کر بطلیموس (۱۵۱ء ـــ زندہ) تک کی تمام تصانیف عربی میں منتقل کر ڈالیں۔ اور حکمتِ یُونان کو ـــ جسے دُنیا قاطبتہً بھُول چکی تھی ـــ ازسرِنو زندہ کر دیا۔ اشاعتِ علم کے لیے قرطبہ سے سمرقند اور دمشق سے مُلتان تک ہزاروں.... درس گاہیں کھولیں۔ اِن میں کثرتِ طلبہ کا یہ عالم تھا۔ کہ بقولِ علّامہ ذہبی:

"امام ابُو حنیفہ کے ایک شاگرد حافظ ابُوالحسن علی بن عاصم واسطی کے حلقۂ درس میں تقریباً تیس ہزار طلبہ ہوتے تھے۔"

(تذکرۃ الحفاظ - تذکرۂ علی بن عاصم)

"بغداد کے ایک مُحدِّث سُلیمان بن حرب (۲۲۴ھ) کے شاگردوں کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی۔ جن میں خلیفہ مامُون الرشید بھی شامل تھا۔"

(ایضاً ـــ تذکرۂ سُلیمان بن حرب)

"جب امام محمّد شیبانی (۱۸۹ھ) کُوفہ میں مُوطّا کا درس دیتے تھے۔ تو ہجوم کی وجہ سے گلیاں رُک جاتی تھیں۔"

(ذہبی: مناقب ابنِ حنیفہ و صاحبیہ طبع مصر ـــ صہ۵۳)

" امامِ اعظم کے ایک اور شاگرد یزید بن ہارون بغدادی (۲۰۶ھ) کے حلقۂ درس میں بعض اوقات ستر ہزار سے زیادہ طلبہ شامل ہوتے تھے۔"

(ذہبی : تذکرۃ الحفاظ ــ
ترجمۂ سلیمان بن حرب)

یہ وہ تاریخی حقائق ہیں۔ جن کی بنا پر ول ڈیوران نے کہا تھا :-
" کہ اسلامی سلطنت میں جغرافیہ دانوں ۔ مورخوں ۔ منجموں ۔ فقیہوں ، اور طبیبوں کی وہ کثرت تھی ، کہ سڑکوں پر چلنا مشکل ہوگیا تھا۔"

ان درس گاہوں کے ساتھ اور اِن سے الگ کچھ لائبریریاں بھی تھیں ۔ جن کی تفصیل سے پہلے یہ بتانا شاید بے جا نہ ہو ، کہ اُس وقت یورپ میں کتنی لائبریریاں تھیں ۔

● قرونِ وسطیٰ میں یورپ کی لائبریریاں

اِن لائبریریوں کے متعلق ہماری معلومات یقینی نہیں ۔ بطورِ مثال اسکندریہ کی مشہور لائبریری کو لے لیجیے :
اس کے متعلق آج تک فیصلہ نہیں ہو سکا کہ اس میں کتب کی تعداد کیا تھا اور وہ کہاں گئیں ؟ کوئی دو لاکھ بتاتا ہے ۔ کوئی چار اور کوئی سات لاکھ ۔
ملاحظہ ہو برطانوی انسائیکلوپیڈیا ــــ زیرِ لفظ " لائبریری " اس کی بناء بطلیموس اوّل (۳۲۳ ـــ ۳۰۹ قم) نے ڈالی تھی ، اور اس کی فہرست بطلیموس دوم (۳۰۹ ـــ ۲۴۶ قم) نے بنوائی تھی ۔ ۲۲۱ قم میں بطلیموس سوم نے

خالقیس (یُونان کے ایک جزیرے کا شہر) کے ایک شاعر اور نحوی یُوفوریَن کو اُس کا لائبریرین مقرر کیا تھا۔

ڈاکٹر ڈریپر[1] کی تحقیق یہ ہے کہ

اس لائبریری کا ایک حصّہ جُولیس سیزر (۵۰ — ۴۴ ق م) نے تلف کرا دیا تھا، اور باقی ماندہ کتابیں قیصر تھیوڈورسیس — دوم (۴۰۸ — ۴۵۰ء) نے سپُردِ آتش کردی تھیں۔ جب سپین کا مؤرّخ اُوروشیش ۴۱۳ء میں اسکندریہ پہنچا۔ تو وہاں ایک بھی کتاب موجُود نہ تھی۔

اسکندریہ مصر میں ہے۔ اسکندرِ یُونانی کے بعد اُس کا یُونانی جرنیل (بطلیموس) مصر پہ قابض ہوگیا تھا۔ اور اسی نے اسکندریہ لائبریری کی بنا ڈالی تھی۔ اِس لیے مَیں نے اِسے یورپی لائبریریوں کے ضمن میں شمار کر لیا ہے۔

پاپائے اعظم[2] گریگوری — اوّل (۵۴۰ — ۶۰۴ء) نے مشہُور رُومی سیاست دان سِسَرو (۴۳ — ق م) اور مورّخ لیوی (۱۷ — ق م) کی ساری کتابیں تلف کرادی تھیں۔

آج سے کئی سال پہلے جرمنی[3] کے ایک شہر کانشٹنش (CANS — TANCE —) کی کلیسائی لائبریری میں ۳۵۶ کتابیں تھیں۔ اور شمالی بُویریا کے ایک شہر بنی ڈِک بیُورَن میں صرف ایک سو۔

خُدابخش لکھتا ہے[4] کہ ۱۱۳۰ء میں جرمنی کے ایک شہر بمبرگ کی

---

[1] : معرکۂ مذہب و سائنس۔ ص ۱۴۶

[2] : تشکیل : ص ۲۲۱

[3] : خدابخش : احیائے اِسلام ص ۱۷۲

[4] : خدابخش : احیائے اِسلام ص ۱۷۲

کلیسائی لائبریری میں کُل ۹۶ کتابیں تھیں۔

بارھویں صدی کے ایک برطانوی پادری برنارڈ کی وفات (۱۱۵۴ء) پر اُس کی لائبریری کو کھولا گیا۔ تو اُس میں سے صرف ۲۴[1] کتابیں نکلیں۔

قحطِ کُتُب کی ایک وجہ تو یورپ کی جہالت تھی، اور دُوسری وجہ کاغذ کی نایابی۔ وُہ لوگ جھلّی پہ لکھتے تھے، اور یہ اِس قدر گراں تھی کہ ایک دفعہ یورپ کی ایک خاتون کو پند و نصائح کی ایک کتاب دو سو بھیڑیں اور پانچ من غلّہ دے کر خریدنا پڑی۔ (ایج آف فیتھ۔ ص۹۰۸)

اِسلامی لائبریریاں

یورپی اہلِ قلم نے زمانے کو چار حِصّوں میں تقسیم کر رکھا ہے:-

اوّل : زمانۂ قبل از تاریخ

جو دو ہزار اور بعض کے ہاں ایک ہزار قبل از مسیح پہ ختم ہوتا ہے۔

دوم : تاریخی دور کا حِصّۂ اوّل

جو پانچویں صدی عیسوی تک پھیلا ہُوا ہے۔ اس کے بعض واقعات و رجال تاریخی ہیں اور بعض غیر تاریخی۔

سوم : قرونِ وُسطیٰ

جو پانچویں صدی سے شرُوع ہو کر پندرھویں کے طلُوع پہ ختم

---

[1] : "ایج آف فیتھ"۔ ص۹۰۸

ہوتے ہیں۔ اہلِ یورپ اس زمانے کو جہالت و وحشت کا زمانہ کہتے ہیں۔

چہارم : عصرِ رَواں

جو پندرھویں صدی سے شروع ہُوا تھا۔

اِسلامی عرُوج کا تعلق قرُونِ وُسطیٰ سے ہے۔ یہ وُہ زمانہ ہے۔ جب یورپ میں علم۔ تہذیب اور اَخلاق کا کوئی تصوّر موجُود نہ تھا۔ اُمراء کا کام عیّاشی۔ بَردہ فروشی اور مے نوشی تھا۔ بڑے بڑے شہروں مثلاً لنڈن۔ پیرس اور برلن کی سڑکوں پر فضلے کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔ رات کو روشنی کا کوئی اِنتظام نہ تھا۔ جو شخص رات کو گھر سے باہر نِکلتا، وُہ عمُوماً کیچڑ میں لت پت ہو جاتا تھا۔ نہانا اِتنا بڑا گناہ تھا کہ جب پاپائے رُوم نے جرمنی کے بادشاہ فریڈرِک دوم (۱۲۱۲ء — ۱۲۵۰ء) پر کُفر کا فتوےٰ لگایا۔ تو فہرستِ الزامات میں یہ بھی درج تھا کہ وُہ ہر روز مُسلمانوں کی طرح غُسل کرتا ہے۔[۱]

جب سپین میں اِسلامی سلطنت کو زوال آیا۔ تو فلپ دوم (۱۵۵۶ء — ۱۵۹۸ء) نے تمام حمام اِس لیے بند کر دیے، کہ اُن سے مُسلمانوں کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ اسی بادشاہ نے اپنے ایک گورنر کو اِس جرُم میں معزُول کر دیا تھا، کہ وُہ مُسلمانوں کی طرح روزانہ ہاتھ پاؤں دھوتا تھا۔

جب کینٹربری کا لاٹ پادری باہر نِکلتا تھا، تو اُس کی قبا پر جوُئیں قطار اندر قطار نظر آتی تھیں۔ فقر و فاقہ کا یہ عالَم کہ لوگ درختوں کی چھال اور پتّے اُبال کر کھاتے تھے۔

---

[۱] : معرکۂ مذہب و سائنس۔ صـ ۳۶۱ و مابعد۔

سنہ ۱۰۳۰ء[1] کے قحط میں لنڈن کے بازاروں میں انسانی گوشت بھی بکتا تھا۔ فرانس[2] کے ایک دریا ساؤن کے کنارے انسانی گوشت کی کتنی ہی دکانیں تھیں۔ جاگیرداروں کے قلعے ڈاکوؤں کے اڈے تھے۔ جو مسافروں کو لوٹتے یا انھیں ذبح کرنے کے لیے پکڑ لاتے تھے۔ یورپ کی یہ حالت مسلسل بارہ ——— تیرہ سو برس رہی۔

درست کہا تھا گبن نے :۔

"بدی کی یہ کثرت اور نیکی کی یہ قلت اتنی طویل مدت تک کہیں اور نظر نہیں آتی۔"

(معرکہ ——— نیز تاریخ رومہ)

تو یہ تھا وہ تاریک زمانہ ——— جب مسلمان اسّی برس کی قلیل مدت میں ابرِ رحمت بن کر ملتان سے فرانس تک چھا گئے۔ اُنھوں نے اپنی قلمرو میں ہزاروں درس گاہیں کھولیں۔ تالیف و ترجمہ کے درجنوں ادارے قائم کیے، اور جا بجا لائبریریاں بنائیں۔ یہ لائبریریاں کتنی اور کہاں کہاں تھیں ؟ اس کے متعلق یقینی اور تفصیلی معلومات موجود نہیں۔ ہمیں چند لائبریریوں کے متعلق نامکمل سے کوائف ملے ہیں۔ جنھیں یہاں درج کرتے ہیں :۔

۱ : مشہور محدث[3] ابنِ شہاب زہری (۱۲۴ھ) کے گھر میں اتنی کتابیں تھیں، کہ جب انھیں ایک کتب خانے میں منتقل کیا گیا تو متعدد خر اور خچر استعمال کرنا پڑے۔

---

[1] : معرکہ ۔ ص ۲۶۱ ومابعد ۔

[2] : تشکیل ۔ ص ۲۰۹

[3] : ابنِ سعد : طبقات ، ج ۔ ۲ ص ۱۳۶

۲ : مشہور[1] مورخ الواقدی (۲۰۶ھ) کی وفات پر اُس کے گھر سے کتابوں کے چھ سو صندوق نکلے تھے۔

۳ : ایک مرتبہ[2] مامون الرشید (۱۹۸ھ — ۲۱۸ھ) نے قیصرِ رُوم مائیکل دوم (؟ — ۲۱۴ھ) سے اِس شرط پر صُلح کی، کہ وُہ اِستنبول کا فلاں کُتب خانہ بطلیمُوس (۱۵۱ء — زندہ) کی کتاب المجسطی سمیت بغداد بھیج دے۔

۴ : اسلام کے مشہُور محدث[3] اور رجال نگار یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) کی وفات پر اُن کے گھر سے کتابوں کے ایک سو صندوق اور چار بھرے ہُوئے مٹکے نکلے تھے۔

۵ : ابُو نُعیم[4] "تاریخِ اصفہان" میں لکھتا ہے کہ :

"اصفہان کے ایک امیر نے جس کی وفات ۲۷۲ھ میں ہُوئی تھی، تین لاکھ دینار کے صَرف سے ایک شاندار کُتب خانہ بنایا تھا۔

۶ : یاقوت[5] حموی لکھتا ہے کہ :

"کُوفہ کے نحوی و لُغوی احمد بن یحییٰ ثعلب (۲۸۹ھ) کے پاس ایک بہت بڑا کُتب خانہ تھا۔

---

[1] : ایج آف فیتھ - صـ۲۳۵

[2] : معرکہ - صـ۱۶۴

[3] : ابنِ خلکان : وفیاتُ الاعیان - ج - ۲ صـ۲۱۴

[4] : بحوالۂ "احیائے اسلام" صـ۱۷۱

[5] : معجم الادباء - ج - ۲ صـ۱۹۶

۷ : یحیٰی بن علیؒ[1] بن یحییٰ (۳۰۰ھ) جو خلفائے عباسیہ کا منجم تھا، کتابوں کا بہت شوقین تھا۔ جب ابُو معشر منجم بلخی (۳۱۷ھ ب۔ زندہ) حج پہ جاتے ہوئے اُس لائبریری میں داخل ہُوا۔ تو کتابوں کی بُہتات دیکھ کر وہیں رُک گیا اور حج ترک کر دیا۔

۸ : منصُورؒ[2] حلاج۔ (۳۱۰ھ کی ذاتی لائبریری میں کتابوں کی خاصی تعداد تھی۔ اِس میں اُس کی اپنی کتابیں چینی کاغذ پر سُنہری حرُوف میں لکھی ہُوئی تھیں۔ اِس کی تصانیف پچاس کے قریب تھیں۔

۹ : ۳۲۲ھ[3] میں خلیفہ قائم فاطمی (۳۲۲ھ - ۳۳۴ھ) نے قاہرہ میں ایک عظیم لائبریری قائم کی۔

۱۰ : مُوصل[4] کے ایک امیر ابنِ حماران (۳۲۳ھ) نے ایک

---

[1] : "اِحیائے اِسلام" - ص ۱۷۳

[2] : "اِحیائے اِسلام" - ص ۱۷۳

[3] : خدابخش نے اِحیا (ص ۱۷۶) میں لکھا ہے، کہ :-

" یہ لائبریری ۳۲۲ھ میں خلیفہ الحکم کے حکم سے قائم ہُوئی تھی۔

اگر یہ سال صحیح ہے۔ تو پھر خلیفہ کا نام القائم تھا۔ خلفائے فاطمی میں الحکم نام کا کوئی خلیفہ نہیں ہوا۔ ہاں ایک الحاکم تھا چھٹا خلیفہ۔ جس نے ۳۸۶ھ سے ۴۱۱ھ تک حکومت کی تھی۔ (سلاطین اِسلام - خلفائے فاطمی)

[4] : اِحیاء۔ ص ۱۷۶ -

دارالعلوم قائم کیا۔ جس کے ساتھ ایک عمدہ لائبریری بھی تھی۔

۱۱ : نیشاپور میں قاضی ابنِ حبّان (۳۵۴ھ) کی ذاتی لائبریری میں کافی کتابیں تھیں۔ (اِحیا۔ ص۱۷۶)

۱۲ : آلِ بُویہ کے ایک وزیر ابُوالفضل بن عَمید کی ذاتی لائبریری میں اِتنی کتابیں تھیں۔ جنھیں اٹھانے کے لیے ایک سو اُونٹوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ یہ غالباً ۳۵۵ھ میں قائم ہوئی تھی۔ (بعہدِ عضدالدولہ) اور اس میں مشہور فلسفی و موّرخ ابنِ مُشکوَیہ (۳۲۰ھ — ۴۲۱ھ) نے بھی بطورِ خازن کام کیا تھا۔ (اِحیا۔ ص۱۷۳)

۱۳ : جب ۳۶۵ھ میں خلیفہ طائعؒ (۳۶۳ھ — ۳۸۱ھ) نے ایک امیرزادے کی جائیداد (بہ جرمِ بغاوت) ضبط کی۔ تو اُس کے گھر سے سترہ ہزار کتابیں نکلیں۔ (احیا۔ ص۱۷۳)

۱۴ : اندلس کے اموی خلیفہ اَلحکم — دوم (۳۶۶ھ) نے قرطبہ میں ایک عظیم لائبریری کی بنا ڈالی تھی۔ جس میں کتابوں کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس کی فہرست ۴۵ جلدوں میں مرتب ہوئی تھی۔ جو آج بھی میڈرڈ کی اِسکوریَل لائبریری میں موجود ہے۔ (اِحیا۔ ص۱۷۲)

۱۵ : عضدالدولہ بُوَیہی (۳۷۲ھ) کی ذاتی لائبریری بھی بڑی لائبریریوں میں شمار ہوتی تھی۔ (ایضاً۔ ص۱۷۳)

۱۶ : اسی سُلطان کے ایک امیر نے رام ہُرمُز (خلیج ایران کے ساحل پر ایک شہر) میں ایک لائبریری بنائی تھی۔ جس میں تحقیقی کام کرنے والے طلبا کو وظیفہ ملتا تھا۔

(ایضاً۔ ص۱۷۶)

۱۷ : ابنِ ندیم (۳۷۷ھ — زندہ) لکھتا ہے، کہ :

"میں نے بغداد میں محمد بن حسین المعروف بہ ابنِ ابی بعرہ کا کتب خانہ دیکھا۔ اس میں شعرائے عرب کے دیوان، کتب حکایات، حضرت علیؓ اور امام حسینؓ و حسنؓ کی دستاویزات اور ابو عمرؓ و زبّانؓ بن العلاء البصری (۱۵۴ھ) کی تصانیف تھیں۔

۱۸ : یاقوت حموی کہتا ہے، کہ :

"احمد بن محمد ابو بکر بن الجراح (۳۸۰ھ) کی ذاتی کتابوں کی قیمت دس ہزار درہم تھی۔

(معجم الادباء، ج۔ ۲۔ ص۸)

۱۹ : ۳۸۳ھ میں آلِ بُویہ کے ایک وزیر سابُور بن اَزدشیر (۴۱۵ھ) نے غربی بغداد میں ایک دار العلوم قائم کیا۔

لہ : ابنِ خلکان لکھتے ہیں، کہ :

"زبّان کے ہاں عرب شعراء کا اتنا کلام جمع تھا۔ کہ اُن کے مکان کا ایک حصّہ چھت تک بھر گیا تھا۔"

(وفیات، ج۔ ۱۔ ص۳۸۶)

جس میں ساڑھے دس ہزار کتابیں تھیں۔

(احیا — ص ۱۷۶)

۲۰ : جب نوح بن منصور سامانی نے اُس دور کے ایک عالم سیاست دان صاحب بن عباد (۳۸۵ ھ) کو وزارت کے لیے طلب کیا۔ تو اُس نے چار سو اونٹ اپنی کتابیں اٹھانے کے لیے مانگے۔

(معرکہ۔ ص ۱۶۵)

۲۱ : ۳۸۶ھ کے قریب مصر کی ناظمی لائبریری میں ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں تھیں۔ (احیا — ص ۳۶)

۲۲ : قرطبہ کے ایک قاضی ابو المطرف (۴۲۰ھ) کے ہاں اتنی بڑی لائبریری تھی، کہ جب اُس کی وفات کے بعد وہ نیلام پر فروخت ہوئی۔ تو اُس کے ورثا کو چار لاکھ دینار ..... (اَسّی لاکھ روپے) وصول ہوئے۔

(احیا — ص ۱۷۳)

۲۳ : جب بغداد کا ایک عالم اُلنیقانی[1] (۴۲۵ھ) اپنے منصب سے سبکدوش ہونے کے بعد گھر روانہ ہوا۔ تو اُس کی کتابیں پینسٹھ گٹھڑیوں میں اٹھائی گئیں۔

(ایضاً۔ ص ۱۷۳)

۲۴ : والیٔ کرمان بہرام شاہ بن طغرل شاہ سلجوقی (۵۶۱ھ — ۵۸۲ھ) کے وزیر امین الدولہ ابو الحسن بن الغزال نے اپنے کتب خانے میں کتابیں نقل کرنے

---

[1] احیا میں یہ نام اسی طرح لکھا ہے۔

کے لیے کئی کاتب رکھے ہوئے تھے۔

(وفیات - ج - ۲ - ص ۲۳۶)

۲۵ : ایوبی سلطان نور الدین (۵۸۲ھ — ۵۹۲ھ) کے وزیر ابو کثیر افرائیم بن الزفان کے پاس بھی ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا۔

(وفیات — ج : ۲ — ص ۱۰۵)

۲۶ : سنہ ۶۱۲ھ میں یاقوت حموی (۶۲۵ھ) شام کے ایک امیر ابو الغوارس عضد الدین کے ہاں گیا۔ اور اس کے ہاں ایک ایسا کتب خانہ دیکھا۔ جس کی کتابوں کی تعداد خود امیر کو بھی معلوم نہ تھی۔

ایک مرتبہ اس نے چار ہزار کتابیں بیچ ڈالیں۔ لیکن کتب خانے کی حیثیت میں کوئی فرق نہ آیا۔

(معجم الادباء — ج : ۲ ص ۱۹۶)

۲۷ : ول ڈیوران لکھتا ہے کہ :

"جب یاقوت حموی (۶۲۵ھ) مرو میں گیا۔ تو اس نے وہاں بارہ لائبریریاں دیکھیں۔ ایک میں بارہ ہزار کتابیں تھیں۔" (ایج آف فیتھ - ص ۳۲۹)

۲۸ : آخری عباسی خلیفہ مستعصم (۶۴۰ھ — ۶۵۶ھ) کے وزیر مؤید الدین ابو طالب محمد بن احمد المعروف بہ ابن العلقمی (۶۵۶ھ) کی ذاتی لائبریری میں دس ہزار کتابیں تھیں۔ (الفخری - ص ۲۴۴)

۲۹ : حماۃ تاتار کے وقت بغداد میں ۳۶ عظیم سرکاری لائبریریاں تھیں۔ اور ہر پڑھے لکھے کے پاس کتابوں کی خاصی تعداد تھی۔

(ایج آف فیتھ ۔ ص ۲۲۷)

۳۰ : جب ہلاکو خان کے مشیر و وزیر نصیر الدین طوسی (۶۷۲ھ) نے ایران کے ایک شہر مراغہ میں رصدگاہ قائم کی۔ تو ساتھ ہی چار لاکھ کتابوں کی ایک لائبریری بھی بنائی۔

(وفیات ۔ ج : ۲ ص ۱۴۹)

۳۱ : حماۃ (شام) کے والی، ابو الفدا اسماعیل (۷۳۰ھ) جو مربیِ علوم و فنون ہونے کے علاوہ خود بھی مورخ تھا۔ (مختصر تاریخ البشر کا مصنف) کے پاس ایک ایسا کتب خانہ تھا۔ جس میں دو سو علماء و کاتبین تصنیف و کتابت پہ مقرر تھے۔

۳۲ : "قطب الدین" ایک تاریخی کتاب کا نام ہے۔ اس کا مصنف قطب الدین عبد الکریم بن عبد النور الحلبی (۷۳۴ھ) لکھتا ہے، کہ :

"بغداد کی لائبریریوں میں اس قدر کتابیں تھیں کہ جب تاتاریوں نے دجلہ کو عبور کرنا چاہا، تو کتابوں کی ہزارہا گٹھڑیاں پانی میں پھینک دیں۔ بیشتر تو بہہ گئیں، لیکن کچھ بھاری ہو کر تہہ میں بیٹھ گئیں۔ اُن پر اور گٹھڑیاں آتی گئیں۔ یہاں تک کہ دریا میں ایک پشتہ سا بن گیا۔ جس پر تاتاری عساکر پیدل چل کر پار نکل گئے۔"

(تمدن ۔ ص ۱۷۵)

۳۳ : اندلس میں مسلمانوں کے علمی مرکز چار تھے۔ قرطبہ۔ غرناطہ۔ اشبیلیہ اور طلیطلہ۔ ہر مرکز میں بڑے بڑے کتب خانے تھے
ڈاکٹر ڈریپر معرکۂ مذہب و سائنس لکھتا ہے کہ :
" اندلس کے صرف ایک شہر قرطبہ میں ستر لائبریریاں تھیں۔ جنھیں مسلمانوں کے زوال کے بعد متعصب عیسائیوں نے جلا دیا۔ صرف طلیطلہ میں وہاں کے بشپ زمینیز (XMINESE) (وفات ۸۹۷ھ) نے اسّی ہزار کتابیں سپردِ آتش کی تھیں۔
(تشکیل۔ ص ۲۵۶)

۳۴ : المقرّی (۱۰۴۰ھ) کا بیان ہے، کہ :
" اس دور کے ایک امیر ابو جعفر احمد بن عباس کے پاس چار لاکھ کتابیں تھیں۔
(نفح الطیب۔ ج : ۲ ص ۳۰۸)

۳۵ : ڈاکٹر ڈریپر لکھتا ہے کہ :
" مسلمانوں نے طرابلس میں ایک عظیم الشان لائبریری بنائی تھی۔ جس میں کتابوں کی تعداد تیس لاکھ کے قریب تھی۔ ایک مرتبہ صلیبیوں کا ایک لشکر وہاں سے گزرا۔ اور اس نے تمام کتابیں جلا ڈالیں۔
(معرکہ۔ ص ۱۵۰)

✤ ✤ ✤

اسلامی تہذیب کے دو بڑے مرکز

یُوں تو مُلتان سے غرناطہ تک اسلامی تہذیب کے درجنوں مراکز تھے۔ مثلاً :-

ایران میں : نیشاپور ۔ شیراز ۔ ہمدان ۔ اصفہان ۔ طوس اور تبریز ۔
بُخارا میں : سمرقند ۔ تاشقند اور خیوہ ۔
عراق میں : بصرہ ۔ کُوفہ اور بغداد ۔
شام میں : حلب اور دمشق ۔
مصر میں : قاہرہ اور اسکندریہ ۔

لیکن سب سے بڑے مرکز دو تھے :-

۱ : بغداد اور
۲ : اندلس

بغداد[1]

اس شہر کی بنا دُوسرے عبّاسی خلیفہ منصُور (۱۳۶ھ — ۱۵۸ھ) نے

---

[1] یہ تفاصیل پروفیسر حِتّی کی "دی عربس" ۔ قفطی کی "تاریخ الحکماء" ۔ لی بان کی "تمدّنِ عرب" سے ماخوذ ہیں ۔

دجلہ کے مغربی کنارے پہ ڈالی تھی - اس کی تعمیر پر ایک لاکھ مزدور چار سال کام کرتے رہے - یہ شہر دائرے کی شکل میں تھا - اس کی دو فصیلیں تھیں - اندرونی اور بیرونی - اندرونی فصیل اُمراء و وزراء کے گھروں اور شاہی محل کے گرد تھی - اور نوّے فٹ اُونچی تھی - شاہی محل کے دیوانِ عام کا گنبد ایک سو تیس فٹ بلند تھا - اس کے عین اُوپر ایک نیزہ بردار سوار کا مجسمہ تھا - جس کے نیزے کی اَنی اُس طرف گھوم جاتی تھی - جس طرف سے کوئی حملہ آور آ رہا ہو - جب یہ شہر تیار ہو چکا - تو اس کے بانی (منصور) نے کہا :

"یہ شہر ایک ایسی وادی میں واقع ہے - جہاں سے کبھی بڑی بڑی تہذیبیں اُبھری تھیں - دریائے دجلہ کی وجہ سے ہمارا رابطہ دُور و دراز ممالک (چین شامل) سے قائم ہو جائے گا - اور یہاں ہر وُہ چیز پہنچے گی - جو دریاؤں کی وساطت سے مل سکتی ہے - مثلاً :-

عراق و ارمینیہ کی زرعی پیداوار ، اور
شام و رقہ کی مصنوعات وغیرہ

بغداد ، ایران - شام - ارمینیہ اور ایشیائے صغیر کے درمیان واقع تھا - اِس لیے وُہ مختلف تہذیبوں کا عموماً اور تہذیب ایران کا اثر خصوصاً قبول کرنے لگا - عباسی خلیفے ، فاروقؓ و علیؓ کی سادگی چھوڑ کر جمشید و ہوشنگ بن گئے - اُن کا دربار ایرانی قالینوں ، فانوسوں - مطربوں - سیاست دانوں اور حرم ایرانی کنیزوں سے بھر گیا - اِس اختلاط سے عربوں کی موروثی سخت مزاجی نرمی و شیرینی میں بدل گئی - اُن کے مذاق میں نفاست آ گئی ، اور یہ لوگ علوم و فنون کی طرف مائل ہو گئے -

اُس دور کے دو فرماں رواؤں نے تہذیبِ نو کی تخلیق میں اہم پارٹ ادا کیا۔
بغداد کے ہارُون الرّشید (۱۷۰ھ — ۱۹۳ھ) اور فرانس کے شارلیمان
(۱۵۰ھ — ۱۹۷ھ) نے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے دوستی چاہتے تھے۔
شارلیمان، قیصرِ روم کی دست درازیوں سے محفوظ رہنا چاہتا تھا۔ اور
ہارُون کی خواہش یہ تھی۔ کہ شارلیمان اندلس کے اموی خُلفا کو چین نہ لینے دے۔ ان
دونوں نے اپنی اپنی سلطنتوں میں مُتعدد درس گاہیں کھولیں اور ہارُون نے فرانسی
درس گاہوں کو کامیاب بنانے کے لیے ہر قسم کی مدد دی۔

ایک سو برس میں بغداد دولت۔ تجارت۔ علوم و فنون اور بین الاقوامی سیاست
کا مرکز بن گیا۔ اس کی شان و شوکت اور عوام کی خوشحالی میں کامل ہم آہنگی تھی۔ عوام
کو دیکھ کر جس نوع کے پایۂ حکومت کا تصوّر قائم ہوتا تھا۔ بغداد ویسا ہی تھا۔
یا یُوں کہیے، کہ بغداد قوم کی عظمت۔ عزت اور آسُودہ حالی کی علامت تھا۔

ہارُون کی عم زاد بیوی زُبَیدہ نے بھی تہذیبِ نو کی تخلیق میں خاصا حصّہ لیا تھا۔
یہ بہت فیاض خاتُون تھی۔ اِس نے جُود و کرم کی نہایت تابدار روایات قائم کیں۔
ایک مرتبہ یہ حج کو گئی، تو اِس نے حرم نشینوں کو مالا مال کر دیا۔ مکّۂ مکرّمہ سے
کوئی پچیس میل دُور ایک ندی بہتی تھی۔ جس سے ایک نہر کاٹ کر بَیتُ اللہ
تک پہنچائی۔ یہ نہرِ زُبَیدہ کہلاتی تھی۔ اِس سفر میں زُبَیدہ نے تیس لاکھ دینار
(چھ کروڑ پاکستانی روپے) صَرف کیے۔

اِس کے مزاج میں اِتنی نفاست تھی، کہ یہ اپنے میز پر کوئی ایسا برتن برداشت
نہیں کر سکتی تھی۔ جو سونے یا چاندی کا نہ ہو۔

اُس زمانے میں فراوانیٔ دولت کا یہ عالم تھا:
کہ جب ۲۰۹ھ میں مامُون الرّشید (۱۹۸ھ — ۲۱۸ھ) کی

شادی بُوران[1] سے ہُوئی۔ تو اِس تقریب کی شان و شوکت تارِیخِ عرب میں ضرب المثل بن گئی۔

دُولھے کو ایک ایسے قالین پہ بٹھایا گیا۔ جو سونے کے تاروں سے بُنا گیا تھا۔ نکاح کے بعد جوڑے پر ایک ہزار موتی سونے کے طبق میں ڈال کر نچھاور کیے گئے۔ جواباً مامُون نے اُمراء کو ایسے نافہائے مُشک پیش کیے۔ جن کے ہمراہ جائیدادوں، غلاموں، کنیزوں اور قیمتی تحائف کی دستاویزات بھی شامل تھیں۔

جب ۳۰۴ھ میں مشرقی روم کے قیصر قسطنطین ہفتم کا سفیر خاص مُقتَدر عباسی (۲۹۵ھ — ۳۲۰ھ) کے دربار میں پہنچا۔ تو وہاں کی عظمت و شوکت سے لرز گیا۔ محل کے باہر ایک لاکھ ساٹھ ہزار سوار و پیادہ، سات ہزار سفید و سیاہ خواجہ سرا، اور سات سو حاجب کھڑے تھے۔ جب فوج کے ایک دستے نے سفیر کو سلامی دی۔ تو اُس کے ہمراہ ایک سو شیر بھی مارچ کر رہے تھے۔ اُس نے محل میں بائیس ہزار قالین اور اٹھتیس ہزار پردے بھی دیکھے۔ جن میں ساڑھے بارہ ہزار سنہری تھے۔ نیز ہال کے وسط میں سونے۔ چاندی کا ایک درخت دیکھا۔ جس کا وزن پانچ لاکھ ڈرام تھا۔ اس کی شاخوں پر مختلف قسم کے مصنوعی پرندے تھے۔ جو ہوا چلنے پر اپنی اپنی بولیاں بولتے تھے۔

ھارُون کی فیاضی نے جہاں بھر کے فن کاروں، ادیبوں، شاعروں، اور موسیقاروں کو بغداد میں کھینچ لیا تھا۔

اُس وقت بغداد کی زِندگی کیا تھی؟ یا تو ہارُون کے درباری شاعر

---

[1]: مامُون کے وزیرِ اعظم حسن بن سہل (۲۳۶ھ) کی بیٹی۔

ابُو نوُاس (۱۸۲ھ) کا کلام پڑھیے۔ جو بار بار دربار کی رنگینیوں پہ طبع آزمائی کرتا ہے۔ یا ابوالفرج اِصفہانی (۳۵۵ھ) کی کتابُ الاغانی دیکھیے۔

اِس سلسلے کا ایک واقعہ یہ کہ :

ہارُون کا ایک بھائی ابراہیم اِتنا بڑا موسیقار تھا، کہ ایک مرتبہ اِس نے خلیفہ اَمین بن ہارُون (۱۹۳ھ — ۱۹۸ھ) کے سامنے ابُو نوُاس کے چند اشعار گائے، اور امین بن ہارُون نے اُسے تین لاکھ دینار (ساٹھ لاکھ پاکستانی روپے) دیے۔

عہدِ مامُون (۱۹۸ھ — ۲۱۸ھ) میں بغداد کی آبادی دس لاکھ تھی۔ اس میں تیس ہزار مساجد۔ دس ہزار حمّام۔ ایک ہزار محل اور آٹھ سو ساٹھ اطِبّا تھے۔ نیز ایک بیتُ الحکمۃ۔ جس میں سینکڑوں علماء وحکماء تالیف و ترجمہ پر مامُور تھے۔ سڑکوں پر روزانہ گلاب اور کیوڑے کا عرق چھڑکا جاتا تھا۔ اور جب خلیفہ کی سواری نکلتی تھی۔ تو اُس کے آگے پیچھے دس ہزار سوار ہوتے تھے زیوروں سے لدے ہوُئے کُمیت گھوڑوں پہ سوار۔

بغداد کے جامہ باف اِس قدر باکمال تھے، کہ ایک مرتبہ زُبیدہ نے کپڑے کا ایک تھان پچاس ہزار دینار میں خریدا۔

بغداد کے گھاٹ مِیلوں میں پھیلے ہوُئے تھے۔ تفریحی کشتیوں، شِکاروں، مُسافر کشتیوں اور جنگی جہازوں سے پُر۔ وہاں سے تجارتی کشتیاں اور جہاز مختلف قسم کا سامان مثلاً :- کپڑا - زیور - شیشہ وغیرہ لے کر جنوُب میں افریقہ - ہند بحرالکاہل جزائر اور چین تک جاتے تھے، اور شمال میں سوُیڈن تک۔

حال ہی میں رُوس - فِن لینڈ - سوُئیڈن اور جرمنی میں اُس دور کے عربی سِکّے دستیاب ہوُئے ہیں۔ جن سے معلوُم ہوتا ہے کہ مُسلم تاجر تجارت کے لیے

اُن علاقوں میں بھی جاتے رہے۔

یہ تاجر ریشم اور مُشک چین سے لاتے۔ مسالے۔ رنگ اور معدنیات ہند سے، شہد۔ فر (FUR) اور موم رُوس سے۔ ہاتھی دانت اور سونا افریقہ سے۔ چاول، گندم اور ململ مصر سے۔ پھل شام سے۔ قالین، عطریات اور کئی دیگر اشیاء ایران سے۔

اِس تجارت کا نتیجہ یہ ہُوا، کہ بغداد کی دکانیں ہر قسم کے سامان سے لد گئیں۔ لوگ بہت خوشحال ہو گئے۔ اور دُنیا بغداد کو" ملکۂ عالم" کہنے لگی۔

مادی خوشحالی کے بعد عربوں میں ذہنی بیداری کی ایک ایسی لہر اُٹھی۔ جس نے اِنھیں نہ صرف یُونان کی گُم شدہ علم و حکمت کا وارث بنا دیا۔ بلکہ اِک جہانِ نو کا خالق بھی۔

مامون کے بیتُ الحکمۃ نے ہند، یُونان اور ایران کے فلسفہ۔ طب۔ ہیئت۔ تاریخ اور دیگر علوم کو عربی میں مُنتقل کر ڈالا۔ یہ ادارہ ایک سو سال تک زندہ رہا۔ تراجم کے ساتھ ساتھ عرب تخلیقی کام بھی کرنے لگے۔ اور دو تین صدیوں میں اِتنا کام کر گئے، کہ مشرق و مغرب کی لائبریریاں کتابوں سے بھر گئیں۔

قرطبہ۔ غرناطہ۔ طلیطلہ۔ طرابلس۔ قاہرہ۔ فلسطین اور مراغہ کی عظیم لائبریریوں میں بیشتر کتابیں اِنھی لوگوں کی لکھی ہُوئی تھیں۔

• بیتُ الحکمت

مامُون کے قائم کردہ بیتُ الحکمت میں ایک شعبہ ترجمے کا تھا۔ جس کا کام یُونانی کتابوں کو براہِ راست عربی یا آرامی زبان میں مُنتقل کرنا تھا۔ چونکہ مسلمان یُونانی زبان سے ناآشنا تھے۔ اِس لیے اُنھوں نے اِس کام کے لیے

غیر مسلموں کو تلاش کیا۔

مثلاً :۔

۱ : حُنین بن اِسحاق نصرانی حیدلانی (۲۵۸ھ) جالی نُوس و بقراط کا شارح اور چھبیس کتابوں کا مُصنِّف۔

۲ : اِسحاق بن حُنین (۲۹۸ھ) اپنے باپ کا صحیح جانشین اور کئی کتابوں کا خالق اور شارِح۔

۳ : مُتّٰی بن یُونس۔ نصرانی (۳۲۲ھ — ۳۳۰ھ کے درمیان زندہ) شام کا ایک عالِم تھا۔ خلیفہ راضی (۳۲۲ھ — ۳۲۹ھ) کے زمانے میں بغداد گیا۔ قِفطی نے تاریخ الحکما میں اس کی دس تصانیف کے نام دیے ہیں۔

۴ : ثابت بن قُرّہ (۲۸۸ھ) شام کے ایک شہر حرّان کا ایک صابئی (ستارہ و آتش پرست) بَیتُ الحِکمت سے وابستہ تھا۔ اِس نے ارسطُو۔ جالی نُوس، اور چند دیگر یُونانی حکما کی تصانیف کا ترجمہ کیا۔ اور خود بھی ریاضی۔ ہیئت۔ منطق۔ سیاست۔ کسُوف۔ خسُوف۔ طب۔ جیُومیٹری، اور اخلاق پر کافی کتابیں لکھیں۔ قِفطی نے تاریخ الحکما میں اس کی ۱۰۶ کتابوں کے نام دیے ہیں۔

۵ : سنان بن ثابت بن قُرّہ (۳۳۱ھ) اپنے والد کی طرح ایک جامعُ الصِّفات شخصیت تھی۔ تذکروں میں اس کی اٹھارہ تصانیف کے نام ملتے ہیں۔ مثلاً :۔

۱ : تاریخ مُلوکِ السریانیّین۔

۲ : رسالۃٌ فی الاِستواء۔

۳ : رسالۃٌ فی النجوم۔

۴ : شرحُ مذہب الصائبین۔ وغیرہ

۶ : ثابت بن سنان بن ثابت بن قرّہ (۳۶۵ھ) راضی کا درباری اور ثابت بن قرّہ کا پوتا تھا۔ اس کی کتابُ التاریخ وسعتِ معلومات کے لحاظ سے لاجواب ہے۔ اس میں ۲۹۰ھ-۳۶۳ھ کے واقعات ہیں۔

۷ : ابراہیم بن سنان بن ثابت بن قرّہ اپنے بھائی، باپ اور دادے کی طرح بڑی شہرت کا مالک تھا۔ اِس کی تصانیف کا تعلق یا تو ہیئت سے تھا۔ اور یا ہندسہ سے۔

۸ : ثابت بن ابراہیم بن زھرون الحرّانی الصابئی (۳۶۹ھ) بھی طبیب و مُصنّف تھا۔

۹ : یحییٰ بن عَدِی نصرانی (۳۶۲ھ) اسّی کتابوں کا مُصنّف تھا۔ عربی میں لکھتا تھا۔ اور منطق میں اِمام سمجھا جاتا تھا۔

۱۰ : یُوحنّا بن البِطریق النصرانی مامون کا غلام تھا۔ لیکن فلسفہ اور طب میں بڑا مقام رکھتا تھا۔ اس نے حُنین کی طرح بُقراط اور ارسطو کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔

۱۱ : یُوحنّا بن ماسَوَیہ نصرانی (۲۴۲ھ - زندہ) ہارُون۔ امین۔ مامُون کے درباروں میں رہا۔ اِس نے طب پر تقریباً تیس کتابیں لکھیں۔ مثلاً :-

۱ : کتاب الاِسہال۔

۲ : کتاب التشریح۔
۳ : کتاب القولنج۔ وغیرہ۔

یہ فہرست کافی لمبی ہے۔ پوری تفصیل ابنِ ابی اُصیبعہ کی طبقاتُ الاطِبّاء اور قفطی کی تاریخُ الحُکماء میں دیکھیے۔

اُس دور کے مُسلم عُلما

تیسری۔ چوتھی صدی ہجری کے بغداد کی تعمیر۔ تزئین اور تہذیب میں بیشمار مُسلِم اہلِ قلم نے بھی حِصّہ لیا۔ اِن میں سے کچھ بغداد ہی کے رہنے والے تھے۔ کچھ بغداد میں آباد ہو گئے تھے۔ کچھ بغداد کے فیض یافتہ تھے اور کچھ بغداد کی علمی لہر سے مُتاثر ہو کر بیتُ الحکمت کے انداز میں کتابیں لکھنے لگے تھے۔ اِن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔

چند نام یہ ہیں :-

۱ : احمد بن محمد بن مروان السّرَخسی (۲۷۹ھ — زندہ) خلیفہ مُعتضد کا ندیم و مشیر۔ اِس نے طِب۔ سیاست۔ منطق۔ جبر و مقابلہ۔ موسیقی پر چوبیس کتابیں لکھیں۔

۲ : احمد بن محمد صاغانی (۲۷۹ھ) بغداد کی رصدگاہ پہ مُتعیّن تھا۔

۳ : ابُو مَعشر بلخی (۲۷۹ھ — زندہ) طبقاتِ اُمم، تاریخ ایران اور ہیئت کا فاضل تھا۔ قفطی نے اِس کی اٹھتیس کتابوں کے نام دیے ہیں۔

۴ : جعفر بن المکتفی باللہ (۳۷۷ھ) ایک عباسی شہزادہ تھا۔ علوم قدیمہ پہ چند رسائل کا مصنّف۔

۵ : جابر بن حیان کوفی (۱۲۱ھ) کیمسٹری کا بابا آدم سمجھا جاتا ہے۔ اس نے اس موضوع پر پوری ایک سو کتابیں لکھیں۔ اور ایک ہزار مرکبات پہ بحث کی۔ کتابوں کی پوری فہرست ابن ندیم کی الفہرست میں ملے گی۔ اس کی تمام تصانیف نایاب سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن حال ہی میں اس کی نو کتابیں لائیڈن سے ای۔ جے۔ برل نے شائع کر دی ہیں۔

۶ : ابن الخمار بغدادی (پ — ۳۳۱ھ) اونچے درجے کا فلسفی و منطقی تھا۔ کوئی دس کتابوں کا مصنّف۔

۷ : ابن کرنیب بغداد کا ایک متکلم تھا۔ قفطی نے اس کی تین کتابوں کے نام دیے ہیں۔

جن میں :

- ایک منطق پر۔
- دوسری شب و روز پر۔ اور
- تیسری ثابت بن قرہ کی تردید میں ہے۔

۸ : حبش الحاسب اپنے وطن مرو (خراسان) کو چھوڑ کر بغداد چلا گیا تھا۔ وہاں مامون سے معتصم (۲۱۸ھ - ۲۲۷ھ) تک کا زمانہ دیکھا۔ اور ہیئت پر نو فاضلانہ کتابیں لکھیں۔ (قفطی)

۹ : غلام زحل (۳۷۴ھ) بغداد کا منجم۔ جس کی سات تصانیف کا ذکر قفطی نے کیا ہے۔

۱۰ : عبدالرحمان بن عمر بن محمد رازی علم النجوم کا ماہر تھا۔ تاریخ الحکماء میں اس کی صرف تین کتابوں کے نام ملتے ہیں۔

۱۱ : علی بن احمد انطاکی (۳۷۶ھ) انطاکیہ سے بغداد آگیا تھا۔ اس نے حساب پر سات کتابیں لکھیں۔

۱۲ : ابن الجرّاح ابوالقاسم عیسٰی بن علی (۳۹۱ھ) خطّاط بھی تھا۔ اور مصنف بھی۔

۱۳ : محمد بن ابراہیم الفزاری، احکام نجوم کا فاضل۔ دولت عبّاسیہ کے اوائل میں تھا۔

۱۴ : محمد بن زکریا۔ ابوبکر رازی (۳۲۰ھ) شفاخانۂ بغداد میں طبیب تھا۔ اس نے طب۔ کیمیا، اور طب روحانی پر ۱۲۳ کتابیں لکھیں۔

۱۵ : فارابی، بخارا کے ایک شہر فاراب کا رہنے والا تھا۔ پورا نام محمد بن محمد بن طرخان۔ بعد میں بغداد چلا گیا۔ اور طب منطق۔ فلسفہ موسیقی اور تہذیب پر ۱۱۴ کتابیں لکھیں۔

۱۶ : ابن الآدمی (۳۰۰ھ کے قریب) ایک مشہور منجّم۔ جس کی تقویم کو اس کے ایک شاگرد القاسم بن محمد بن ہاشم المدائنی نے ۳۰۸ھ میں نظم العقد کے نام سے منظوم کیا۔

۱۷ : محمد بن موسٰے خوارزمی (۲۲۹ھ) مامون کے کتب خانے کا نگران تھا۔ اس نے تاریخ و ہئیت پر کئی کتابیں لکھیں۔ اس کا الجبرا بہت مشہور ہے۔

۱۸ : اسی محمد کے دو بھائی احمد اور حسن بھی محاسب و منجّم تھے۔

اِن کی تصانیف کی فہرست القفطی میں دیکھیے۔

۱۹ : دَیحُنْ بن رُستم (۳۷۸ھ — زندہ) بغداد کا منجم تھا اور ہیئت پر نو کتابوں کا مصنّف۔

۲۰ : یحییٰ بن ابی منصُور (۲۱۸ھ — زندہ) مامُون کا منجم تھا۔ اِس نے ہیئت پہ کئی کتابیں لکھیں۔

۲۱ : الکِندی — یعقوب بن اسحاق بن الصباح بن عمران (۲۳۵ھ) قدیم فرماں روایانِ کِندہ (یمن کا ایک قبیلہ) کی اولاد سے تھا۔ عظیم القدر فلسفی۔ منجّم اور حکیم۔ قفطی نے اس کی ۲۲۶ کتابوں کے نام دیے ہیں۔ جن کی تقسیم یُوں ہے :-

فلسفہ	:	۲۰
منطق	:	۹
حساب	:	۱۱
موسیقی	:	۶
نجُوم	:	۲۷
ہندسہ	:	۲۱
فلکیات	:	۱۴
طِب	:	۲۴
نفسیات	:	۵
سیاسیات	:	۱۳
اور دیگر عنوانات	:	۷۶
میزان	:	۲۲۶

۲۲ : ابنِ وصیف (۳۵۰ ھ) بغداد کا ایک فاضل طبیب ، جو
امراضِ چشم کا ماہر تھا۔

تو یہ تھے وہ لوگ جنھوں نے تیسری اور چوتھی صدی کے بغداد کو
عظمت و شہرت عطا کی۔

حتّیٰ کہتا ہے :-

"جس وقت ہارون و مامون یونان و ایران کے
علوم و فنون کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر عربی میں منتقل کر رہے تھے
اور یونانی فلسفہ پہ ریسرچ ہو رہی تھی۔ اُس وقت فرانس کا
بادشاہ شارلیمان اور اُس کے لارڈز اپنے نام لکھنے کی
مشق میں مصروف تھے ۔"

(دی عربس ص ۹۴)

اُندلُس

جنرل طارق نے ۹۱ھ میں ساحلِ ہسپانیہ پہ قدم رکھا تھا۔ دو سال کی قلیل مُدت میں اِس نے سارا ہسپانیہ فتح کر لیا۔ اور اسے اِسلامی سلطنت کا حِصّہ بنا دیا۔ یہ صُورتِ حال چالیس سال تک جاری رہی۔ جب ۱۳۱ھ میں اُمیہ کا اقتدار ختم ہُوا تو اُن دنوں بیس سال کا ایک نوجوان شاہزادہ عبدالرحمان[1]، جو خلیفہ ہشام کا پوتا اور خلیفہ عبدالملک کا پڑ پوتا تھا۔ اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ دریائے فرات کے کنارے ٹھہرا ہُوا تھا۔

یک دن ایک طرف سے شور اُٹھا۔ دیکھا کہ سینکڑوں گھڑ سوار سیاہ عَلَم (عبّاسیوں کا) اٹھائے اور تلواریں سونتے ان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ دونوں بھائی دریا میں کُود پڑے۔ بڑا تو تیر کر دُوسرے کنارے جا لگا۔ لیکن چھوٹا گھبرا کر لوٹ گیا، اور مارا گیا۔

عبدالرحمان تنہا مغرب کی طرف بڑھتا گیا، اور پانچ سال بعد اُندلس کے ساحل پہ جا اُترا۔ جہاں اُموی دور کی ایک رجمنٹ بدستور موجُود تھی۔ اِس نے اُسے اپنا لیڈر بنا لیا۔ اور شمال کی طرف بڑھنے لگی۔ اُمیہ کی ساری فوج اور تمام

---

[1] : عبدالرحمان بن مُعاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان۔

مُسلم آبادی اِس کے ساتھ ہوگئی۔ ۱۳۸ھ میں اِس نے اپنی امارت کا اِعلان کر دیا۔ اِس خاندان کے سولہ بادشاہوں نے ۴۲۲ھ تک حکومت کی۔ اِس کا پایۂ تخت قرطبہ تھا۔ اِس سِلسلے کے پہلے سات حکمران امیر کہلاتے تھے۔ آٹھواں یعنی عبدالرحمانِ ثالث (۳۰۰ھ — ۳۵۰ھ) خلیفہ کہلانے لگا۔

جب ۴۲۲ھ میں یہ سِلسلہ ختم ہو گیا۔ تو طوائف الملوکی پھیل گئی اور جا بجا چھوٹے چھوٹے خود مختار سِلسلے قائم ہو گئے۔

اِن کی تفصیل یہ ہے :-

شمار	سِلسلے کا نام	پایۂ تخت	شاہوں کی تعداد	از — تا	مدتِ حکومت
۱	بنُو حمُّود	مالقہ	۹	۴۰۷ – ۴۴۹	۴۲ سال
۲	عبّادی	اشبیلیہ	۳	۴۱۴ – ۴۸۴	۷۰ سال
۳	بنُو زیری	غرناطہ	۵	۴۰۳ – ۴۸۳	۸۰ سال
۴	بنُو جہوَر	قرطبہ	۳	۴۲۲ – ۴۶۱	۳۹ سال
۵	بنُو ذی النّون	طُلَیطلہ	۳	۴۲۷ – ۴۷۸	۵۱ سال
۶	بنُو عامر	بَلَنسِیہ	۴	۴۱۲ – ۴۷۸	۶۶ سال
۷	اُمرائے تجیبی و ھوُدی	سَرَقُسطہ	۹	۴۱۰ – ۵۳۶	۱۲۶ سال
۸	اُمرائے دانیہ		۲	۴۰۸ – ۴۶۸	۶۰ سال
۹	مرابطین و موحّدین پہلے دوسو برس تک اسپانیہ پہ قابض رہے				
۱۰	بنُو نصر	غرناطہ	۲۱	۶۲۹ – ۸۹۷	۲۶۸ سال

ماحصل یہ کہ مسلمان سنہ ۹۱ھ میں اندلس پہ قابض ہوئے تھے۔ یہ پورے ۷۰۰ برس تک وہاں رہے۔ گو سنہ ۱۶۱ھ میں شارلیمان نے پوری طاقت سے عبدالرحمان پہ حملہ کیا تھا۔ لیکن اس کی فوج کو شکست ہوئی۔ جب یہ فوج واپس جا رہی تھی۔ تو چند پہاڑی قبائل سے ٹکرا گئی۔ اور وہاں اس کا سپہ سالار رالینڈ مارا گیا۔ اس پر فرانس کے ایک شاعر نے CHANSON LE ROLAND کے عنوان سے ایک نظم لکھی تھی۔ جو قرونِ وسطیٰ کی بلند حربی نظموں میں شمار ہوتی ہے۔

جنگ و پیکار سے فارغ ہونے کے بعد عبدالرحمان تعمیر و تزیین کی طرف متوجہ ہوا، اور اس میدان میں بھی اس نے بڑی قابلیت۔ چابکدستی اور نفاستِ ذوق کا ثبوت دیا۔ اس نے بڑے بڑے شہروں کو باغوں، نہروں، فواروں، کشادہ راہوں، پختہ گلیوں اور حسین عمارات سے آراستہ کیا۔ پہاڑی چشموں کا پانی گھروں تک پہنچایا۔ غرناطہ کے باہر ایک پُرشکوہ محل بنایا۔ اس کے پائیں باغ میں انار، ناشپاتی اور آڑو کے پودے لگائے۔ یہیں اس نے کھجور کا وہ پودا بھی لگایا تھا۔ جو اس کے وطن دِمشق سے آیا تھا۔ اور جسے دیکھ کر اس نے کہا تھا :۔

مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا
صحرائے عرب کی حور ہے تو
پردیس میں ناصبور ہوں میں
پردیس میں ناصبور ہے تو
غربت کی ہوا میں بارور ہو
پروردۂ شبنم سحر ہو

عالم کا عجیب ہے نظارہ
داماں نگہ ہے پارہ پارہ
ہمت کو شناوری مبارک
پیدا نہیں بحر کا کنارہ
غربت کی فضا میں اور چمکا
ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ
مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے
مومن کا مقام ہر کہیں ہے

{ یہ ترجمہ علامہ اقبالؒ نے کیا تھا
بالِ جبریل صفحہ ۱۳۸ }

اس نے اپنی وفات سے دو برس پہلے یعنی ۱۷۰ھ میں ایک عظیم مسجد کی بنا ڈالی۔ جسے بعد کے خلفاء نے مزید وسعت دی۔ اور یہ یورپی مسلمانوں کا رُوحانی مرکز بن گئی۔ قرطبہ کی آبادی بڑھتے بڑھتے پانچ لاکھ تک پہنچ گئی۔ اِس میں تین سو حمام اور سات سو مساجد تھیں۔

شاہی محل: جو عبد الرحمان سوم کی ایک بیوی زہرا کی وجہ سے قصرُ الزّہرا کہلاتا تھا۔ وادی الکبیر کے کنارے تعمیر ہوا تھا۔ اس میں چار سو کمرے تھے۔ اس کے لیے سنگِ مرمر، مزاکش سے، سُنہری ستون اور دیگر سامانِ آرائش قسطنطنیہ سے منگوایا گیا تھا۔ اور دس ہزار مزدوروں نے بیس سال تک کام کیا تھا۔

جب عبد الرحمان سوم (۳۰۰ھ — ۳۵۰ھ) نے مسندِ خلافت سنبھالی۔

تو اُس کی عمر صرف تیئس برس تھی۔ اُس وقت مُلک میں کافی انتشار پھیلا ہُوا تھا۔ کئی علاقوں پر عیسائی سلطنتیں قابض تھیں۔ مُسلمانوں میں عرب اور غیر عرب کی رقابتیں چل رہی تھیں۔ اور مُلک کی تعمیر رُکی ہُوئی تھی۔ اِس نے سب سے پہلے عیسائی ریاستوں سے اپنے علاقے واپس لیے۔ پھر ساری قوم کو متحد کیا، اور اس کے بعد داخلی تعمیر میں مصرُوف ہو گیا۔

حِتّی لکھتا ہے کہ :۔

" اِس کے زمانے میں قرطبہ بُہت بڑا شہر بن گیا۔ اِس میں ایک لاکھ تیرہ ہزار گھر، ستّر لائبریریاں، میلوں پختہ گلیاں، اور ہزاروں مساجد تھیں۔ رات کو شہر میں روشنی ہوتی تھی۔ باقی یورپ کا یہ حال کہ پیرس اور لنڈن جیسے شہروں کی گلیاں کیچڑ سے اٹی رہتی تھیں۔ اور وہاں آٹھ سَو سال بعد تک کسی گلی میں کوئی لیمپ نصب نہیں ہُوا تھا۔ قرطبہ کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہُوئی تھی۔"

اور اُسی زمانے میں جرمنی کی ایک نَن نے لکھا تھا :

" اگر دُنیا کو ایک انگشتری فرض کیا جائے۔ تو قرطبہ اُس کا نگینہ ہے۔"

(حِتّی ۔ دی عربس ۔ ص ۱۲۹)

" چرم سازی، ریشم بافی، شیشے اور تانبے کے ظروف، قرطبہ کی مخصُوص صنعتیں تھیں۔ مالقہ سے لعل نکلتے تھے۔ جین (J A E N) سے سونا ۔ قرطبہ سے فولاد اور سکّہ، طُلیطلہ کی تلواریں دُنیا بھر میں مشہور تھیں۔ عربوں نے ایشیا سے اِتنے

پھل دار درخت اُندلس میں منتقل کیے تھے کہ ہر طرف باغ ہی باغ نظر آتے تھے۔ اِن باغوں میں سے کچھ آج تک باقی ہیں۔"

درُست کہا تھا ایک مؤرخ نے کہ :

"عربوں نے اُندلس کو بہت کچھ دیا۔ ان تحائف میں سب سے زیادہ پائدار اُن کے باغات تھے۔"

(حِتّی۔ ص۱۳۰)

قاہرہ کی الازہر اور بغداد کی نظامیہ سے بہت پہلے عبدالرحمان سوم نے قرطبہ میں ایک یونیورسٹی قائم کی تھی۔ جس میں مقامی طلبہ کے علاوہ افریقہ۔ ایشیا، اور یورپ کی مختلف ریاستوں سے بھی متلاشیانِ علم آتے تھے۔

اَلحکم — دوم (۳۵۰ھ — ۳۶۶ھ) نے یونیورسٹی کو مزید وُسعت دی۔ بچکے کے نل لگا کر پہاڑی چشموں کا پانی وہاں تک پہنچایا۔ دمشق، بغداد اور قاہرہ سے پروفیسر منگوائے۔ اور دُنیا کے ہر خطّے میں اپنے آدمی بھیجے۔ جو کتابوں سے لدے ہوئے واپس آئے، اور جامعہ میں چار لاکھ (بروایتے ۲۰ لاکھ) کتابوں کی ایک شاندار لائبریری بنا ڈالی۔ جس کی فہرست ۴۴ جلدوں میں تیار ہوئی۔ الحکم نے اِن میں سے بیشتر کتابیں پڑھی تھیں۔ اور اُن پر حواشی بھی چڑھائے تھے۔ لیکن جونہی اُندلس میں مسلمانوں کو زوال آیا، تو جاہل پادریوں نے مسلمانوں کی تمام لائبریریاں جلا ڈالیں۔ ورنہ آج کا سکالر اُن حواشی سے پُورا فائدہ اُٹھاتا۔

❖ ❖ ❖

اُموی خُلفائے اندلس

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اُموی خُلفا کا ایک جدول دے دیا جائے۔ تاکہ واقعات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

شمار	نام	سالِ جلوس
۱	عبدالرّحمان ـــــ اوّل	۱۳۸ھ
۲	ہِشام ـــــ اوّل	۱۷۲ھ
۳	حَکَمْ ـــــ اوّل	۱۸۰ھ
۴	عبدالرّحمان ـــــ دوم	۲۰۶ھ
۵	مُحَمَّد ـــــ اوّل	۲۳۸ھ
۶	مُنذِر	۲۷۳ھ
۷	عَبدُاللہ	۲۷۵ھ
۸	عبدالرّحمان ـــــ سوم	۳۰۰ھ
۹	حَکَمْ ـــــ دوم	۳۵۰ھ
۱۰	ہشام ـــــ دوم	۳۶۶ھ
۱۱	مُحَمَّد ـــــ دوم	۳۹۹ھ
۱۲	سُلیمان	۴۰۰ھ

شمار	نام	سال جلوس
۱۳	مُحمّد ——— دوم (دوبارہ)	۴۰۰ھ
۱۴	ہشام ——— دوم (دوبارہ)	۴۰۰ھ
۱۵	سُلیمان ——— (دوبارہ)	۴۰۳ھ
۱۶	علی بن حمّود ——— (از بنو حمّود)	۴۰۷ھ
۱۷	عبدالرّحمان ——— چہارم	۴۰۸ھ
۱۸	قاسم بن حمّود ——— (از بنو حمّود)	۴۰۸ھ
۱۹	یحییٰ بن علی ——— (از بنو حمّود)	۴۱۲ھ
۲۰	قاسم بن حمّود ——— (دوبارہ)	۴۱۳ھ
۲۱	عبدالرّحمان ——— پنجم	۴۱۴ھ
۲۲	مُحمّد ——— سوم	۴۱۴ھ
۲۳	یحییٰ بن علی ——— (دوبارہ)	۴۱۶ھ
۲۴	ہشام ——— سوم	۴۱۸ھ تا ۴۲۲ھ

خلفائے اُمیّہ : ۱۶

سلاطینِ حمّود : ۳

دوبارہ جلوس کے واقعات : ۵

میزان : ۲۴

مُسلمانانِ اَندلس کے علمی کارنامے

مسلمانوں کے عہد میں اَندلس کے ایک دارالعلم کے دروازے پر لکھا تھا :

" زندگی کی عمارت چار بنیادوں پہ قائم ہے :

۱ : اربابِ عقل کے علم ،

۲ : بڑوں کے عدل ،

۳ : اہلِ تقوے کی دُعا ، اور

۴ : بہادروں کی شجاعت پر

اِس کہاوت میں علم کو پہلا مقام دیا گیا ہے۔ جب عربوں کا علم یورپ میں پہنچا۔ تو وہاں رہنے ، سہنے اور سوچنے تک کا انداز بدل گیا ، اور اہلِ اندلس نے یورپ کی ذہنی تحریک اور قرونِ وسطیٰ کی علمی تاریخ کا روشن ترین باب لکھا۔ اَندلس کو جن لوگوں نے عظمت عطا کی۔ اُن میں سے چند نام یہ ہیں :

۱ : **زِریاب** بغداد سے آیا تھا۔ یہ عبدالرحمان — دوم (۲۰۶ھ — ۲۳۸ھ) کا ندیم رہا۔ موسیقی میں اسحاق موصلی (امامِ موسیقی) کا شاگرد تھا۔ نہایت عمدہ لباس پہنتا تھا، اور بار بار فیشن بدلتا تھا۔ اندلس کا نوجوان طبقہ فیشن میں اس کا پیرو تھا۔

۲ : **ابنِ عبد ربّہ — القرطبی** (۳۲۰ھ) کو العقد الفرید کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ یہ

عربوں کی ایک ضخیم ادبی تاریخ ہے۔

۳ : اَلبیّانی — ابُو محمد قاسم بن اِصبغ الاَندلسی (۳۴۰ھ) مورخ بھی تھا اور محدث بھی۔

۴ : اَلخُشَنی — محمد بن حارث اَندلسی — جس نے قاضیانِ اَندلس کا تذکرہ " اَخبارُ القضاۃ بِالاَندلس" کے عنوان سے مرتب کیا تھا۔

۵ : اِبن ھانی (۳۵۹ھ) اِبنِ بسّام (۳۰۲ھ) اور اِبنِ زَیدُون (۴۶۲ھ) اور علی بِن یَقظان (۴۴۵ھ) اَندلس کے بلند پایہ شعرا تھے۔

۶ : ابُوالقاسِم مَسلمہ بِن احمد (۳۹۷ھ) عَبدُالودُود اَندلسی (۴۹۸ھ — زندہ) ابُوالحکم عمر بن احمد بن خلدُون (۴۴۹ھ) عَبدُالرحمان بن محمّد بن عَبدُالکریم اللخمی (۴۵۰ھ کے قریب) اور ابن زُھر اشبیلی (۵۵۶ھ) بحیثیت طبیب اور منجم بہت مشہور ہوئے۔

۷ : مشہور عالم نباتات اِبنُ البیطار — ابُو محمد عبداللہ بن احمد (۶۴۵ھ) جس نے اپنی مشہور کتاب

اَلجَامِع فِی الاَدوِیۃِ المُفرِدات

میں چودہ سو بوٹیوں کے خواص بتائے تھے۔ اور اسی فن کے

ایک اور فاضل ــــ اِبنُ العوام (۵۸۵ھ)
جس نے اپنی ایک کتاب میں پانچ سو نباتات کا ذِکر کیا تھا۔
نیز باغبانی و زراعت کے متعلق بھی مُفید مشورے دیے تھے۔
اَندلُس سے تعلق رکھتے تھے۔

۸ : مشہور جُغرافیہ نگار اِدرِیسی ــــ ابُوعبدُاللہ محمد
بن محمد بن عبدُاللہ بن اِدرِیس (۵۶۰ھ) بھی سپین
سے تعلق رکھتا تھا۔ اِس کی جغرافیائی کتاب :

"نُزہَۃُ المُشتاق"

تین سو برس تک یورپ کی درس گاہوں میں نصاب رہی۔

۹ : مشہور سیّاح ابنِ جُبیر (۶۱۳ھ) جس کی
کتاب : "رِحلۃ اِبنِ جُبیر"

مُفید جُغرافیائی و تاریخی معلومات کی حامل ہے۔ بَلَنسیہ کا
رہنے والا تھا۔

۱۰ : یہ تھے اَندلُس کے فلسفی :-

- ابنِ باجہ (۵۳۲ھ)
- ابنِ طُفیل (۵۸۰ھ)
- ابنِ رُشد (۵۹۳ھ)
- ابنِ سَبعین (۶۶۶ھ)
- ابن العربی (۶۳۷ھ)

۱۱ : اور یہ تھے اہم مورِخین :
چند مورِخین کا ذکر شمار ۲ - ۳ - ۴ کے تحت ہو چکا ہے :

شمار	نام	سال وفات	تاریخی تصنیف
۱	عرِیب بن سعد القرطبی	۳۶۶ھ	طبری (۳۱۰ھ) کی تاریخ کا تکملہ لکھا۔
۲	ابن الفرضی ابوالولید عبداللہ۔	۴۰۳ھ	تاریخ علماءِ الاندلس
۳	الغسانی ابوعلی الحسین	۴۱۸ھ	تقیید المہمل۔ (صحیحین کے ہم نام راویوں کے حالات)
۴	ابنِ حزم	۴۵۶ھ	اَلمِلَل والنِّحَل
۵	صاعِد ابوالقاسم بن احمد اندلسی	۴۶۲ھ	طبقات الامم
۶	ابن عبدالبر قرطبی	۴۶۳ھ	کتاب فی قبائل العرب و انسابہم
۷	ابن حیان قرطبی	۴۶۸ھ	اَلمقتبس - اندلس کی تاریخ ۶۰ جلدوں میں۔
۸	الحمیدی محمد بن فتوح	۴۸۸ھ	تاریخ الاسلام

تاریخی تصنیف	سال وفات	نام	شمار
کتابٌ فی فرِقِ الفقہاءِ	۴۹۴ھ	سُلیمان بن خلف	۹
سراج الملوک۔	۵۶۲ھ	ابنِ ابی زندقہ	۱۰
اخبارُ قضاۃِ قرطبہ	۵۷۸ھ	ابنِ بشکوال	۱۱
سیرتِ رسُول پہ کتاب لکھی۔	۵۸۱ھ	ابن الخطیب ابوالقاسم عبدالرحمان مالقی	۱۲
المُغرب فی حالِ المغرب	۶۷۲ھ	المغربی	۱۳
۷۲۴ھ تک کے واقعات پر مشتمل ایک تاریخ لکھی۔	۷۲۴ھ زندہ	ابومحمد صالح بن عبدالحلیم غرناطی۔	۱۴
پانچ جلدوں میں تاریخ لکھی۔	۷۳۹ھ	اشبیلی۔ قاسم بن محمد بن یوسف۔	۱۵
ساٹھ کتابوں کا مصنف۔ ایک تاریخ غرناطہ پر۔	۷۷۶ھ	ابنُ الخطیب۔ ذوالوزارتین لسان الدین ابوعبداللہ۔	۱۶
مشہور ابن خلدون کا بھائی — بُغیۃُ الرّوّاد کا مُصنّف۔	۷۷۹ھ	ابنِ خلدون یحییٰ بن محمد	۱۷
امامِ تاریخ۔ کتابُ العبر (سات جلدوں)	۸۰۷ھ	ابنِ خلدون۔ عبدالرحمان بن محمد	۱۸

شمار	نام	سال وفات	تاریخی تصنیف
۱۹	ابن جلجل - سلیمان بن حسان اندلسی -	—	کا مصنف - مورخ - نام کتاب نامعلوم -

تو یہ تھے اندلس کو سجانے، چمکانے، اور عظیم بنانے والے لوگ۔-

موسیو لیبان لکھتا ہے :-

"عربوں نے چند صدیوں میں اندلس کو مالی و علمی لحاظ سے یورپ کا سرتاج بنا دیا۔ یہ انقلاب صرف علمی و اقتصادی ہی نہ تھا۔ اخلاقی بھی تھا۔ انھوں نے نصاریٰ کو انسانی خصائل سکھائے اور اُن سے بہترین سلوک کیا۔ جب ۱۱۹۳ء میں والیٔ قرطبہ ابو یوسف یعقوب نے طلیطلہ کا محاصرہ کیا۔ جو اُس وقت ایک عیسائی شہزادی کے قبضے میں تھا۔ تو شہزادی نے ابو یوسف کو پیغام بھیجا :

"کہ بہادر لوگ عورتوں پر حملہ نہیں کیا کرتے۔"

اُس نے کہلا بھیجا :

"کہ شہزادی کو میرا سلام ہو۔ میں محاصرہ اُٹھا کر جا رہا ہوں۔" (ملخص - تمدن ص ۲۵۷)

ول ڈیوران کہتا ہے :

"اندلس پر عربوں کی حکومت اس قدر عادلانہ، عاقلانہ

اور مشفقانہ تھی کہ اس کی مثال سپین کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اُن کا نظم و نسق بے مثال تھا۔ اُن کے قوانین میں معقولیت تھی۔ اور اُن کے جج نہایت اعلےٰ تھے۔"

(ملخص۔ ایج آف فیتھ ص۲۹۷)

٭ ٭ ٭

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی آجکل (۱۹۷۰ء) کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں۔ بلند علم، اعلےٰ بصیرت، اسلامی ذوق اور بین الملّی شہرت کے مالک ہیں۔

آپ نسلِ نو کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"اسلامی تہذیب کی بربادی اِس حد تک پہنچ چکی ہے کہ آج ہمارے بچّے اُن کتابوں سے بھی ناواقف ہیں۔ جو ہمارے لیے مشعلِ راہ تھیں۔ ہم نے اپنی خوشی سے وُہ کالے ناگ پال لیے جو قدم قدم پہ ہمیں ڈستے ہیں۔ اُن راہزنوں کو اپنے ہاں بسالیا۔ جو ڈھول بجاکر ہمارے ہوش و حواس کو لُوٹ رہے ہیں ...."

(ملخص۔ راغب طبّاخ حلبی: تاریخ افکار و علوم اسلامی۔ اُردو ترجمہ از افتخار بلخی۔ طبع لاہور۔ ۱۹۶۸ء ص۵)

اِسی کتاب میں ڈاکٹر صاحب کا ایک اور اقتباس بھی قابلِ توجہ ہے فرماتے ہیں:۔

"اگر اپنی ثقافت، دین اور ایمان بیچنے کے بعد ہماری

دُنیا ہی سنور جاتی۔ تو شاید بعض لوگ اِس صورتِ حال کو گوارا کر لیتے۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ یہ بھی نہ ہُوا — اگر چُست پتلونوں، تنگ قمیصوں اور جسمانی ساخت کی نمائش سے ترقی یافتہ اقوام کی صف میں جگہ مل جاتی۔ تو پھر کیا تھا — نہ کُتب خانوں کی ضرورت — نہ دانش گاہوں کی — نہ عملی کی — نہ محنت کی — جو کچھ دیگر اقوام نے خون۔ پسینہ ایک کر کے حاصل کیا ہے۔ وہ ہمیں درزیوں کی ساحری سے مل جاتا۔"

(ملخص۔ ایضاً ص ۱۴-۱۵)

اسلامی تہذیب ہندوستان میں

محمد بن قاسم ۷۱۲ء میں سندھ پہ حملہ آور ہوا تھا۔ اس نے ساحلی شہر دیبل[1] سے ملتان تک کوئی پانچ سو میل لمبا علاقہ فتح کر لیا۔ ۷۱۶ء میں خلیفہ سلیمان نے اسے واپس بلا لیا، اور اس کی جگہ پہلے یزید بن کبشہ، اور پھر حبیب بن مہلب کو عامل مقرر کیا۔

۷۱۷ء میں خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے امرائے سندھ کو اسلام کی دعوت دی۔ راجہ داہر کے لڑکے جے سنہا نے یہ دعوت قبول کر لی۔ لیکن بعد میں مرتد ہو گیا۔

۷۲۴ء میں خلیفہ ہشام نے جنید کو عامل سندھ بنا کر بھیجا۔ اس نے نہ صرف ابن داہر کی گوشمالی کی، بلکہ آگے بڑھ کر راجپوتانہ، کاٹھیاواڑ اور شمالی گجرات کو بھی فتح کر لیا۔ چونکہ اس علاقے کے تمام راجے جنید کے خلاف متحد ہو گئے تھے۔ اس لیے یہ کمزور ہوتا گیا۔ اور آخر [illegible] میں شکست کھا کر واپس چلا گیا۔ اس کی جگہ حکم نے لی۔ یہ ایک سال کے بعد مر گیا، اور پھر محمد بن قاسم کا لڑکا عامل مقرر ہوا۔ لیکن رفتارِ زوال جاری رہی۔

جب ۷۵۰ء میں عباسیوں نے امیہ کی جگہ لی۔ تو سندھ میں مسلمانوں کی

---

[1] دیبل وہاں تھا۔ جہاں دریائے سندھ سمندر میں گرتا ہے۔

سلطنت حیدر آباد اور دیبل کے درمیان ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر رہ گئی تھی۔ عباسی اتنی اُلجھنوں میں گرفتار تھے۔ کہ وُہ اس حصۂ سلطنت کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ چنانچہ ۸۵۴ء میں ایک عرب خاندان نے وہاں خود مختارانہ حکومت قائم کر لی۔ اور حیدر آباد کے قریب ایک نئی بستی منصورہ کو دارالخلافہ بنا لیا۔

۸۸۳ء میں وہاں اسماعیلی داعی جا پہنچے۔ اور اُنھوں نے خلفائے فاطمی کے حق میں ایک تحریک چلادی۔

۹۷۰ء میں فاطمیوں نے ایک فوج بھیجی۔ جس نے مُلتان تک کا علاقہ دوبارہ فتح کر لیا۔

جب ۱۰۰۱ء میں محمُود غزنوی بھیرہ سے آگے نکلا، تو اُس نے اِس سارے علاقے کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ اور اس طرح ہند کے اِس گوشے سے عرب اِقتدار کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بعد ہند پر کن کن خاندانوں کی حکومت رہی۔ جدولِ ذیل میں دیکھیے :

سلاطینِ ہند

شمار	خاندان	تعدادِ مُلوک	سلطنت از — تا	اہم سلاطین
۱	غزنوی شہاب الدین غوری	۲۱ ۱	۹۷۶ - ۱۱۸۶ء ۱۱۸۷ - ۱۲۰۶ء	محمُود غزنوی - مسعود ۱۱۸۷ء میں لاہور فتح کیا، اور اپنی وفات (۱۲۰۶ء)

شمار	خاندان	تعدادِ ملوک	سلطنت از — تا	اہم سلاطین
				سے پہلے اپنے ایک غلام قطب الدین ایبک کو دہلی کا گورنر مقرر کر دیا۔ محمد غوری کی وفات کے بعد یہ خود مختار بن بیٹھا۔ اِس کا خاندان، خاندانِ غلاماں کہلاتا ہے۔
۳	خاندانِ غلاماں	۱۰	۱۲۰۶ء — ۱۲۸۷ء	اِلتمش۔ رضیہ۔ بلبن۔
۴	خلجی	۶	۱۲۹۰ء — ۱۳۲۰ء	جلالُ الدین۔ علاؤالدین ناصرُ الدین۔
۵	تغلق	۱۰	۱۳۲۰ — ۱۴۱۲ء	تغلق شاہ۔ فیروز
۶	سادات	۴	۱۴۱۴ — ۱۴۴۳ء	خضر خان
۷	لودھی	۳	۱۴۵۱ — ۱۵۲۶	بہلول۔ سکندر
۸	افغان	۵	۱۵۳۹ — ۱۵۵۴ء	شیر شاہ
۹	مغل	۱۷	۱۵۲۶ — ۱۸۵۷ء	اکبر۔ جہانگیر۔ شاہ جہاں۔ عالمگیر۔

علاقائی حکومتیں

پورے ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت خاندانِ غلاماں سے شروع ہوئی تھی۔ یہی وہ زمانہ ہے۔ جب بعض دُور دراز صوبوں کے گورنر خود مختار بن بیٹھے تھے۔ یہ سلسلہ ۱۸۵۷ء تک جاری رہا۔

تفصیل یہ ہے :-

شمار	خاندان	تعدادِ ملوک	سلطنت از ـــــ تا
۱	حکامِ بنگالہ	۵۷	۱۲۰۲ء ـــ ۱۵۷۶ء
۲	سلاطینِ جونپور	۶	۱۳۹۴ء ـــ ۱۵۰۰ء
۳	سلاطینِ مالوہ	۷	۱۴۰۱ء ـــ ۱۵۳۰ء
۴	سلاطینِ گجرات	۱۴	۱۳۹۹ء ـــ ۱۵۷۲ء
۵	سلاطینِ خاندیش	۱۱	۱۳۷۰ء ـــ ۱۵۹۹ء
۶	سلاطینِ دکن	۱۸	۱۳۴۷ء ـــ ۱۵۲۶ء
۷	(بہمنی) عماد شاہی	۵	۱۴۸۴ء ـــ ۱۵۷۲ء
۸	نظام شاہی (احمد نگر)	۱۰	۱۴۹۰ء ـــ ۱۵۹۵ء
۹	برید شاہی (بیدر)	۷	۱۴۹۲ء ـــ ۱۶۰۹ء
۱۰	عادل شاہی (بیجاپور)	۸	۱۴۸۹ء ـــ ۱۶۸۶ء
۱۱	قطب شاہی (گولکنڈہ)	۷	۱۵۱۲ء ـــ ۱۶۸۷ء

ماحصل یہ ہے کہ :

عربوں کی حکومت سندھ کے ایک حصّے پر تین سو برس رہی۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں تبلیغ کے لیے دمشق و بغداد سے کچھ مبلّغ بھی آئے ہوں گے اور درس دینے کے لیے کچھ قاری، فقیہہ، علماء اور محدّثین بھی۔ لیکن مؤرخین نے ان علماء کی تفصیل نہیں دی۔

چچ نامہ۔ تاریخِ سندھ از ابُوظفر ندوی، اور دیگر متفرق حوالوں سے اتنا ہی پتہ چلتا ہے، کہ یحییٰ برمکی کا ایک لڑکا موسیٰ، اور اُس کا ایک پوتا عمران سندھ کے گورنر بن کر آئے تھے۔ یہ دونوں عالم تھے۔ اور ہندی علوم (دانش۔ حکایات۔ ماہیئت۔ ریاضی وغیرہ) کے دلدادہ۔ غالباً انہی کی ترغیب کا نتیجہ تھا، کہ ہند کے بعض علماء دربارِ بغداد میں جا نکلے، اور اپنے ساتھ کچھ کتابیں بھی لے گئے۔ جن میں سے ایک برھما گپتا کی سدھانتا تھی۔ جس کا وہاں عربی میں ترجمہ ہُوا۔ ساتھ ہی ہندی طب کی سترہ کتابیں بھی عربی میں منتقل ہُوئیں۔ ہندی منطق۔ کیمیا۔ سحر اور اخلاقیات کی بھی کچھ کتابیں ترجمہ (عربی) ہوئیں۔

مُروج الذّہب کا مُصنّف مسعودی بغدادی (۹۵۶ء)۔۔۔۔۔۔ ۹۱۵ء میں سندھ سے گزرا تھا۔۔۔ کچھ عرصہ بعد وہاں ابن حوقل (۹۶۷ء) بھی آیا۔

یہ لکھتے ہیں :۔

کہ سندھ کی چند بستیوں مثلاً : منصورہ، مُلتان، دَیبُل

۱؎ : شیخ محمد اکرام :۔ ہسٹری آف مُسلم سویلزیشن۔ ص ۱۲

میں بڑی بڑی مساجد تھیں ۔ اور ہندوؤں میں اسلام کے مُتعلق دلچسپی
پیدا ہو رہی تھی ۔"

ایلیٹ اور ڈاؤسن ــــــ ہسٹری آف انڈیا (اِکرام : صـ۱۶)
میں لکھتے ہیں :

" کہ سندھ کے ایک ہندو رئیس نے منصُورہ سے ایک عربی
عالم منگوایا ۔ اور قرآن کا ترجمہ مقامی بولی میں کرایا ۔"

مسعُودی کہتا ہے :

" کہ اُس وقت سندھ کی اسلامی بستیوں میں عربی بولی
جاتی تھی ۔"

سندھ میں کچھ عالم بھی تھے ۔ مثلاً :

۱ : ابُو معشر سندھی (۷۸۷ء) مُحدِّث و مفسر ۔ اس کی
وفات بغداد میں ہُوئی ۔ اور اس کا جنازہ خُود خلیفہ
نے پڑھایا ۔

۲ : ابُوالعطا سندھی ۔ عربی کا شاعر تھا ۔ یہ دمشق چلا گیا اور
خُلفائے اُمَوِی کا درباری شاعر بن گیا ۔

۳ : امام ابُو حنیفہ کے اجداد بھی سندھ سے گئے تھے ۔

۴ : سندھیوں نے نہ صرف عربی رسم الخط کو اپنا لیا ۔ بلکہ اُن کے
مجبُوب جانور اور پھل یعنی اُونٹ اور کھجُور سے بھی پیار کرنے لگے
سندھی زبان میں آج بھی عربی کے سینکڑوں الفاظ موجُود ہیں ۔

۵ : بے شمار سندھیوں نے اِسلام قبول کر لیا ، اور آج سندھ کے
وسیع صُوبے میں غیر مُسلموں کی تعداد دو فیصد سے زیادہ نہیں ۔

۶ : اُنھوں نے عرب کا قبائلی نظام بھی اپنا لیا۔ وہاں شیخ ہوتا تھا۔ اور یہاں وڈیرا۔

۷ : سندھیوں نے عربوں سے مہمان نوازی، جاں بازی، اور راست بازی کا سبق بھی لیا۔

دورِ غزنویاں

محمود غزنوی اور اُس کے جانشینوں کے دربار میں ایران، خوارزم، اور دیگر علاقوں کے کوئی چار سو شعراء و عُلما تھے۔ ان میں سے بعض، مثلاً :
البیرونی (۱۰۵۰ء)، مسعود رازی (۱۰۷۷ء، ایک شاعر جسے مسعود بن محمود نے جہلم بھیج دیا تھا) اُس کا فرزند ابوالفرج رُونی، نیز مسعود سعد سلمان (جو ۱۰۹۹ء میں جالندھر کا گورنر رہا اور ۱۱۲۲ء میں فوت ہوا) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

داتا گنج بخشؒ (۱۰۷۱ء) بھی اسی دور میں واردِ لاہور ہوئے تھے۔
امام حسن صغانی لاہوری (۱۲۵۲ء) بھی اِسی عہد سے متعلق تھے۔ اِن لوگوں نے شمالی ہند کو اللہ کے پیغام اور عربوں کے علوم سے آشنا کیا۔ ایک وہ زمانہ تھا، کہ تورخم سے واہگہ تک ایک بھی مسلمان نہیں تھا، اور آج ایک بھی غیر مسلم موجود نہیں۔

غزنویوں نے فارسی کو دفاتر و مکاتب کی زبان قرار دیا اور یہ سلسلہ ۱۸۵۷ء تک جاری رہا۔

مسلمانوں کی طویل حکومت نے ہندوستانی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کیا۔ مثلاً :-

۱ : ہندوستان تصوّرِ توحید سے ناآشنا تھا۔ یہ مسلمانوں ہی کا فیض تھا۔ کہ متعدد سادھوؤں اور مصلحوں نے توحید کا پرچار شروع کر دیا۔ ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۲ : ہندوستان کی ہر زبان (مرہٹی۔ گجراتی۔ ہندی۔ بنگالی۔ سندھی وغیرہ) میں سینکڑوں عربی الفاظ داخل ہو گئے۔ اور بھاشا و فارسی کے ملاپ سے ایک نئی زبان (اردو) پیدا ہوئی۔

۳ : ہندو خوراک کی لذّتوں سے ناآشنا تھے۔ یہ گوشت سے بچتے اور پوری کچوری، دال۔ کھچڑی ہی پہ گذارہ کر لیتے تھے۔ مسلمانوں نے انھیں پلاؤ، بریانی، زردہ، متنجن، مزعفر، شیرمال، کلچے، باقرخانی، قورمہ، کوفتے، نرگسی کوفتے، مرغی، ہرن، تیتر، بٹیر کے کباب اور حلوے کی کئی اقسام سے آشنا کیا۔

۴ : اور لباس میں :-

قبا، کلاہ، عمامہ، دستار، ریشمی رومال، گلوبند، اور قمیص و پاجامہ کی کئی ساختوں سے تعارف کرایا۔

۵ : رہائشی مکانات میں :-

دیوان خانے، غسل خانے، باورچی خانے، کتب خانے برآمدے، کھلے صحن، پائیں باغ، قالینوں، گاؤ تکیوں، گلدستوں اور مسہریوں کا اضافہ کیا۔

۶ : اپنے محلات و قلاع کو سبزہ زاروں، چشموں، فوّاروں،

اور بارہ دریوں سے سجایا۔

۷ : شہروں کے گرد فصیلیں بنائیں اور اُنھیں بڑے بڑے دروازوں، بُرجوں اور کنگروں سے آراستہ کیا۔

۸ : ہمارے صُوفیا کرام کے اثر سے ہندوستان میں بھی رُوحانیوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا۔ جن کے عقائد کسی حد تک مُسلمان صُوفیوں سے ملتے تھے۔

مثلاً :۔

۱ : شنکر اچاریہ ۔ (آٹھویں صدی عیسوی) مالابار کا ایک سنیاسی ۔ جس نے اعلان کیا کہ :

"خُدا ایک ہے ۔ وُہی حقیقت ہے ۔ باقی سب فریبِ نظر ہے۔ دُنیا مایا ہے ۔ اس کی حقیقت برہما ہے اور افراد اس حقیقت کے اجزاء ہیں ۔"

(مُسلم ثقافت ۔ ص ۲۹۶)

۲ : رامانجے (پ ۔ ۱۰۱۶ء) مدراس کے ایک گاؤں کا برہمن ۔ بھگتی تحریک کا بانی ۔ جس کے بُنیادی عقائد یہ تھے کہ :

" برہما اور ایشور ایک ہی ہیں ۔ وُہ رُوحِ اعظم ہے اپنی ذات وصفات میں لاشریک ، قادرِ مُطلق ، اور رُوح ومادہ کا خالق ہے۔"

بھگتی کی تین منازل ہیں :۔

۱ : ادائے فرائض ۔

۲ : ریاضت ۔ اور
۳ : مراقبہ ۔

اِن تینوں کا نام بھگتی ہے ۔

(ایضاً ۔ صـ۴۹۸)

۳ : بساؤ ۔ لنگایت فرقے کا بانی ہے ۔ جنوبی ہند کا رہنے والا ۔

اس کے عقائد یہ تھے :۔

* بچپن کی شادی ممنوع
* طلاق جائز
* ذات پات گناہ
* تناسخ باطل
* خدا ایک اور ساری کائنات کا خالق ہے ۔
* یہ لوگ مُردوں کو دفن کرتے ہیں ۔

(ایضاً ۔ صـ۴۹۹)

۴ : رامانند بنارسی ، رامانجے کا پانچواں خلیفہ تھا ۔ ذات پات تو ایک طرف یہ اختلافِ مذاہب کا بھی قائل نہ تھا ، اور سب کو برابر سمجھتا تھا ۔ اس کے چیلوں میں کبیر جُلاہا بہت مشہور ہے ۔ یہ مسلمان صوفیوں ، اور ہندو سادھوؤں سے برابر برابر ملتا تھا ۔ یہ پُرخشوع ، اور والہانہ عبادت (بھگتی) ہی کو مذہب سمجھتا تھا ۔ اکثر ہندو عقائد کا مخالف تھا ۔ بلند پایہ شاعر بھی تھا ۔

اس کا مجموعۂ کلام خاص گرنتھ کہلاتا ہے۔ اس کی وفات ۱۵۰۰ء کے قریب ہوئی۔

۵ : چے تنیہ (پ۔ بنگال ۱۴۸۵ء) اچھوتوں کو گلے لگا لیتا تھا اور عبادت کو سرور و تسکین کا واحد ذریعہ سمجھتا تھا۔

اس مسلک کے کچھ اور سادھو بھی تھے۔ مثلاً :

- امانند بنارسی (پ۔ ۱۲۹۹ء)
- نیرو بنارسی — کبیر اسی کے گھر میں پلا تھا۔
- مہاراشٹر کا نام دیو۔
- بابا نانک (۱۵۳۹ء) وغیرہ۔

یہ لوگ جن اولیاء کرام سے متاثر ہوئے تھے۔ اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں :-

اولیائے ہند

شمار	نام	سالِ وفات	جائے ولادت	مدفن	
۱	حضرت ابو الحسن علی ہجویری (داتا گنج بخشؒ)	۴۶۵ھ	غزنی	لاہور	
۲	خواجہ معین الدین سجزی	۶۳۳ھ	سیستان	اجمیر	آپ نے دو ماہ تک مزار

شمار	نام	سالِ وفات	جائے ولادت	مدفن	
					داتا گنج بخشؒ پر چلّہ کشی کی۔
۳	حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ۔	۶۳۳ھ	اوش	دہلی	خلیفۂ حضرت اجمیری
۴	فریدُ الدین مسعود گنج شکرؒ	۶۶۸ھ	مُلتان	پاک پٹن	خلیفۂ بختیار کاکی
۵	نظامُ الدین اولیا	۷۲۵ھ	بدایوں	دہلی	بابا فریدؒ کا خلیفہ
۶	نصیرُ الدین محمُود چراغ	۷۵۷ھ	اودھ	دہلی	نظامُ الدین اولیا کا خلیفہ
۷	شمسُ الدین محمد تبریزی	۶۴۵ھ	سبزوار	مُلتان	
۸	حمیدُ الدین ناگوری	۶۴۳ھ	بُخارا	دہلی	
۹	جلالُ الدین تبریزی	۶۴۲ھ	تبریز	بنگال	
۱۰	علی احمد صابر کلیری	۶۹۰ھ	-	کلیر شریف	
۱۱	بُوعلی قلندر	۷۲۴ھ	-	پانی پت	
۱۲	صدرُ الدین عارف	۶۸۴ھ	مُلتان	مُلتان	
۱۳	شمسُ الدین تُرک	۷۱۵ھ	-	پانی پت	

شمار	نام	سال وفات	جائے ولادت	مدفن
۱۴	سراجُ الدّین عُثمان	۷۵۸ھ	-	لکھنوتی
۱۵	جلالُ الدّین کبیرُ الاولیا	۷۶۵ھ	-	پانی پت
۱۶	جلالُ الدّین جہانیاں جہاں گشت	۷۸۵ھ	اُچ	اُچ
۱۷	سیّد محمد گیسُو دراز	۸۲۵ھ	دہلی	گلبرگہ
۱۸	عبدُ القدّوس گنگوہی	۹۴۵ھ	-	گنگوہ
۱۹	میاں میرؒ لاہوری	۱۰۴۵ھ	سہوان	لاہور
۲۰	احمد سرہندی	۱۰۳۵ھ	سرہند	سرہند

اس جدول میں چند چوٹی کے صُوفیا کا ذکر ہُوا ہے۔ ورنہ اگر ان کے خُلفاء اور دیگر صُوفیا کا مُفصّل ذکر کرُوں تو کئی جلدوں میں بھی نہ سمائیں۔

مولوی امامُ الدّین مُصنّف "مرأۃُ السالکین (طبع میکی پریس گوجرانوالہ ۱۸۹۵ء) لکھتا ہے:

"خُلفاء آپ (بابا فریدُ الدّین) کے بقول صاحب "جواہرِ فریدی" پچاس ہزار آٹھ سو بیالیس ہیں۔"

(مرأۃ - صہ ۹۳)

یہ مبالغہ سہی - اِن کی تعداد پچاس تو ہوگی - اِن میں سے چند ایک بہت مشہور ہیں - مثلاً :-

- بدرُ الدین سُلیمان گنج شکرؒ
- شہابُ الدین گنج علمؒ
- نظامُ الدین شہید بن گنج شکرؒ
- بدرُ الدین اسحاق غزنوی
- شیخ شکر ریز
- شیخ علی شکر بار
- امام علی لاحق سیالکوٹی - اور
- نجیبُ الدین متوکل

شیخ نظامُ الدین اولیا کے خُلفا بھی بے شمار تھے -
چند نام یہ ہیں :-

- سراجُ الدین عُثمان
- حسامُ الدین مُلتانی
- جمالُ الدین نصرت خانی
- وجیہہُ الدین پائلی
- شیخ جلالُ الدین اَوَدھی
- فخرالدین میرٹھی - وغیرہ

یہی حال باقی اولیا کا ہے، کہ اُن کے خُلفا اور خُلفا در خُلفا کا سلسلہ بہت طویل ہے - اور آج تک جاری ہے -

❖ ❖ ❖

عُلمائے ہند

جب غزنویوں اور ان کے بعد مملوکوں نے یہاں ایک باقاعدہ سلطنت قائم کرلی، تو جا بجا مدارس کھولے۔ تدریس کے لیے غزنی، قندھار، بُخارا، ایران اور حجاز سے عُلماء منگوائے۔ ہر چار سُو اسلامی علوم کا چرچا ہونے لگا۔ اور رفتہ رفتہ یہاں ایسے عالم پیدا ہو گئے، جو عربی میں پڑھاتے تھے، اور عربی ہی میں لکھتے تھے۔

محمود غزنوی کے عرُوج (۱۰۰۱ء) سے زوالِ مغلیہ (۱۸۵۷ء) تک یہاں ایسے کئی ہزار عالم پیدا ہوئے۔ جن کی کچھ تفصیل الہ آباد یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ڈاکٹر زُبید احمد نے اپنی ایک گراں بہا تصنیف "عربی ادب میں عُلمائے ہند کا حصّہ" (طبع جالندھر ۱۹۴۵ء، صفحات ۵۰۰) میں دی ہے۔

چند نام حاضر ہیں :-

کتاب	سالِ وفات	وطن	نام	شُمار
			۱ : تفسیر	
تبصیر الرّحمان	۱۴۳۱ء	سندھ	علاؤ الدّین بن احمد مہائمی	۱

شمار	نام	وطن	سالِ وفات	کتاب
۲	محمد بن احمد میاں جی	گجرات	۱۵۴۷ء	التفسیرُ المحمّدی۔ یہ تفسیر بیضاوی کا شارح بھی تھا۔
۳	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	پانی پت	۱۸۱۰ء	تفسیر مظہری۔ ۷ جلد۔ یہ فقہ کی ایک فارسی کتاب مالابُدّ منہ کا بھی مُصنّف ہے۔
۴	علی مُتّقی	بُرہان پُور	۱۵۶۸ء	شئون المُنزّلات نیز حدیث کے ایک مجموعہ کنز العُمّال کا مُصنّف۔
۵	مُحِبُّ اللہ (بابا فرید کی اولاد)	الٰہ آباد	۱۶۴۸ء	ترجمۃ الکتاب
۶	مُلّا جیون — احمد بن ابو سعید	دہلی	۱۷۱۷ء	التفسیراتُ الاحمدیہ فی بیانِ الآیات الشرعیۃ۔ صرف اوامر و نواہی کی تفسیر ہے۔
۷	شاہ ولی اللہ	دہلی	۱۷۶۲ء	فتح الخبیر۔ اس میں

شمار	نام	وطن	سالِ وفات	کتاب
				تفسیری احادیث ہیں آپ حجۃ اللہ البالغہ کے بھی مُصنّف ہیں۔ نیز شارحِ موطّٰی۔ مالک ــــ
۸	فیضی	دہلی	۱۵۹۵ء	مواطعُ الالہام اور سو دیگر کتابیں۔
۹	عبدالاحد بن امام علی	الٰہ آباد	۱۸۹۰ء زندہ	جبتِ شَغَب
۱۰	عبدالحکیم	سیالکوٹ	۱۶۵۸ء	شرح بیضاوی
	۲ : حدیث			
۱۱	ابُو حفص بن ربیع	عرب	۷۷۶ء	یہ تبع ــ تابعین میں سے تھا۔ سندھ میں آکر آباد ہوگیا اور یہیں فوت ہُوا۔ اِس نے حدیث (غالباً) پر ایک کتاب بھی لکھی تھی۔

شمار	نام	وطن	سالِ وفات	کتاب
۱۲	عبدالحق محدّث	دہلی	۱۶۴۲ء	لمعات (شرح مشکوٰۃ)
۱۳	ابُوالحسن سندھی	ٹھٹھ	۱۷۲۷ء	الحاشیہ علی صحیح البخاری
۱۴	حسن بن حسن صغانی	لاہور	۱۲۵۲ء	مشارق الانوار (مجموعۂ احادیث) اور وفیاتُ الصحابہ
۱۵	علی المتّقی	بُرہان پُور	۱۵۶۷ء	کنز العُمّال
۱۶	محمد بن طاہر	گجرات	-	بحار الانوار - یہ علی المتقی کا شاگرد تھا۔
۱۷	عُمر بن محمد عارف	گجرات	-	الفیض النبوی - فی اصُولِ الحدیث
	۳ : فقہ			
۱۸	مُحِبُّ اللہ	بہار	۱۷۰۷ء	مُسَلّم الثبوت (اصُولِ فقہ)
۱۹	ابُو حفص سراجُ الدّین عُمر بن اِسحاق الہندی	دہلی ؟	۱۳۷۱ء	شرح المغنی - یہ مُغنی کی شرح ہے۔ جو جلال الدین خبّازی

شمار	نام	وطن	سالِ وفات	کتاب
				(۱۲۹۱ء) نے لکھی تھی۔
۲۰	شہابُ الدّین احمد۔ عُرف نظام جیلانی۔	دکن	۱۵۴۵ء زندہ	ابراہیم شاھیہ فی الفتاوی الحنیفہ سُلطان ابراہیم عادل شاہ (۱۵۳۴ء–۱۵۴۸ء) کے لیے لکھی گئی۔
۲۱	ابُو البرکات	بہ عہدِ عالمگیر	-	فتاوے جامع البرکات
۲۲	یکُن الہندی (؟)	گجرات	۱۵۱۴ء	خزانۃ الروایات
۲۳	شیخ نظام و دیگر علماء	بہ عہدِ عالمگیر	-	فتاویٰ عالمگیری
۲۴	رحمت اللہ۔ عبداللہ	سندھ	۱۵۸۲ء	اُلمنک الصغیر
۲۵	شیخ جلال	تھانیسر	۱۵۷۴ء	تحقیقِ اراضی الہند
۲۶	محمد ہاشم بن عبدالغفور	سندھی	۱۷۶۰ء	فرائض الاسلام
۲۷	زینُ الدّین بن عبدالعزیز	مالابار	۱۵۸۳ء	قرۃُ العین

کتاب	سالِ وفات	وطن	نام	شمار
			۴ : تصوّف	
التحفۃُ المُرسَلۃ الی النبی	۱۶۲۰ء	گجرات ؟	محمد بن فضل اللہ	۲۸
عقائدُ الموحدین	-	لاہور	عبدالکریم بن محمد	۲۹
الجواہرُ الخمسہ	-	گوالیار	محمد بن خطیرُ الدین	۳۰
الرسالۃُ فی السّلوک -	۱۶۴۰ء	-	تاجُ الدین زکریا	۳۱
شرحِ احیاءُ العلوم (غزالی)	۱۷۹۰ء	بلگرام	سیّد محمد مرتضیٰ	۳۲
مَجدُ الغنا فی حُرمۃِ الغنا۔ اِس موضوع پر علی المتقی برہانپوری، شاہ ولی اللہ اور مُحبُّ اللہ الہ آبادی نے بھی کتابیں لکھیں۔	۱۶۷۹ء کے قریب	سہارنپور	عصمتُ اللہ	۳۳

شمار	نام	وطن	سال وفات	کتاب
	۵ : العقائد			
۳۴	شاہ ولی اللہ	دہلی	۱۷۶۲ء	العقیدۃ الحسنہ
۳۵	شاہ عبد العزیز	دہلی	۱۸۲۳ء	میزان العقائد
۳۶	میر زاہد (جسے اورنگ زیب نے کابل میں صدر القضاۃ مقرر کیا تھا)		۱۶۸۹ء	شرح المواقف (المواقف عضد الدین ایجی (۱۳۳۵ء) کی کتاب ہے)
۳۷	شیخ عبد الوہاب - منعم خان -	قنوج	عہدِ اورنگ زیب	بحر المذاہب منسوب بہ شاہ عالمگیر -
۳۸	احمد سرہندی	سرہند	۱۶۲۴ء	المقدمۃ السنیۃ
۳۹	ملا محمد محسن	کشمیر	۱۷۷۷ء	ردّ الشیعہ
۴۰	شاہ ولی اللہ	دہلی	۱۷۶۲ء	حجۃ اللہ البالغہ
	۶ : فلسفہ و منطق			
۴۱	عبد اللہ	نواحِ ملتان	۱۴۹۰ء زندہ	میزان المنطق
۴۲	ملا محمود	جون پور	۱۶۵۱ء	الحکمۃ البالغۃ - اس کی

شمار	نام	وطن	سال وفات	کتاب
				شرح "الشمس البازغہ" کے عنوان سے خود لکھی۔
۴۳	عبدالرشید	جون پور	۱۶۷۲ء	الرشیدیہ
۴۴	فضلِ امام	خیرآباد	۱۸۲۷ء	مرقات (منطق)
۴۵	نورالدین	احمد آباد	۱۷۳۷ء	شرح الرسالۃ العضدیہ (ایجی)
۴۶	عبدالحیٔ	لکھنؤ	۱۸۸۶ء	الهدیۃ المختاریہ
۴۷	فضل الحق	خیرآباد	۱۸۶۱ء	الهدیۃ السعیدیہ
۴۸	محبّ اللہ	بہار	۱۷۰۷ء	سُلّم العلوم
۴۹	عبدالنبی	احمد آباد	۱۷۳۱ء	تفتازانی (۱۳۸۹ء) کی تہذیب المنطق کی شرح۔
۵۰	حمد اللہ	سندیلہ	۱۷۴۷ء	حمداللہ نام سے شرحِ سلم لکھی۔
۵۱	مُلا حسن	-	۱۷۸۳ء	شرحِ سُلّم۔
				پروفیسر زُبید نے کُل ۹۹ ہندی فلسفیوں اور اُن کی کتابوں کا

کتاب	سالِ وفات	وطن	نام	شمار
ذکر کیا ہے۔				
			۷ : ہیئت، حساب اور طب	
حاشیۂ شرح چغمینی۔ (خوارزم کے ایک فاضل محمود بن احمد چغمینی (نویں صدی ہجری) نے "الملخص فی الہیئۃ" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ جو چغمینی کے نام سے مشہور ہوگئی۔ قاضی زادہ موسےٰ بن محمد رُومی نے ۸۱۴ھ/۱۴۱۱ء میں اس کی شرح لکھی)	۱۵۸۹ء	گجرات	وجیہہ الدین علوی	۵۲
حاشیۂ شرحِ چغمینی	۱۶۱۰ء	اقامت دہلی	قاضی نور اللہ شوستری	۵۳
شرحِ مجسطی (بطلیموس) اقلیدس پر حاشیہ۔	۱۶۵۰ء	"	میر ہاشم جیلانی (اتالیق اورنگ زیب۔	۵۴

شُمار	نام	وطن	سالِ وفات	کتاب
۵۵	عصمتُ اللہ	سہارنپور	۱۶۷۸ء	انوارُ خُلاصتہ الحساب اور ضابطہ قواعد الحساب
۵۶	لُطف اللہ المُہندِس بن اُستاد احمد المعمار	لاہور	۱۶۸۱ء	شرحِ خلاصتہ الحساب (اُستاد احمد، لال قلعہ، جامع مسجد دہلی، اور تاج محل کا معمارِ اعلیٰ تھا اِن تینوں عمارات کا نقشہ بھی اِسی نے بنایا تھا۔)
۵۷	اِمامُ الدّین بن لُطف اللہ المُہندِس	لاہور	۱۷۳۳	حاشیۂ شرحِ خلاصتہ الحساب
۵۸	عبد الباسط	قنوج	۱۸۰۸ء	شرحِ خُلاصتہ الحساب
۵۹	جالینوسُ الزماں علی الجیلانی - ایرانی طبیبِ اکبر۔	قیامِ دہلی	۱۶۰۹ء	شرحِ قانون (سینا)
۶۰	حکیم محمد اکبر اَرزانی	-	۱۷۰۷ء	میزان الطب، طبِ اکبری، مجرباتِ اکبری وغیرہ۔

شمار	نام	وطن	سالِ وفات	کتاب
۶۱	محمد اسحاق خان	دہلی	۱۷۶۸ء	غایۃ الفہوم فی تدبیر المحموم (ان موضوعات پر کئی درجن کتابیں اور بھی ہیں۔)
	۸ : تاریخ و جغرافیہ			
۶۲	بہاؤ الدین عبدالکریم	احمد آباد	۱۶۰۵ء	اعلام العلماءِ الاعلام ببناءِ المسجدِ الحرام۔
۶۳	ابوبکر محی الدین عبدالقادر العیدروس	احمد آباد	۱۶۲۸ء	النور السافر فی اخبار القرن العاشر اور کئی دیگر تاریخی کتابیں)
۶۴	شیخ عبدالحق حقی	دہلی	۱۶۴۲ء	تکملۂ مدارج النبوۃ۔
۶۵	محمد واعظ	دہلی	۱۶۵۳ء	جامع المعجزات
۶۶	محمد صدیق	لاہور	۱۷۷۸ء	سلک الدرر
۶۷	غلام علی آزاد	بلگرام	۱۷۸۵ء	سبحۃ المرجان۔

کتاب	سال وفات	وطن	نام	شمار
فی آثار ہندوستان (اور تین درجن دیگر کتابیں)				
			۹ : صرف، نحو، عروض، لغت ۔ (اس عنوان کے تحت پروفیسر زبید نے ۹۳ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ چند نام یہ ہیں :۔)	
کتاب الاضداد، کتاب العروض، مجمع البحرین فی اللغۃ ۔	۱۲۵۲ء	لاہور	حسن بن حسن صغانی	۶۸
حاشیۂ مفتاح	۱۳۲۴ء زندہ	دہلی	معین الدین عمرانی	۶۹
شرح مغنی اللبیب (ابن ہشام) (مغنی اللبیب میں حکایات ہیں)	۱۴۲۴ء	حیدرآباد دکن	بدرالدین محمد	۷۰

شمار	نام	وطن	سال وفات	کتاب
۷۱	قاضی شہاب الدین	دولت آباد	۱۴۴۵ء	الارشاد فی النحو۔ شرح کافیہ۔
۷۲	سعد الدین	خیرآباد	۱۴۱۷ء	شرح کافیہ، شرح مصباح، اور شرح شرح جامی (کافیہ کی شرح، جو مولانا جامی نے کی تھی)
۷۳	اللہ داد۔	جون پور	۱۴۹۵ء	حاشیہ شرح جامی
۷۴	مفتی جمال خاں	دہلی	۱۵۷۶ء	حاشیہ شرح جامی
۷۵	مخدوم الملک عبداللہ	سلطان پور	۱۵۸۲ء	شرح شرح جامی
۷۶	وجیہہ الدین	گجرات	۱۵۸۹ء	شرح جامی۔ مطول اور مختصر معانی کا حاشیہ لکھا۔ (مطول اور مختصر معانی دونوں علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی (۱۳۹۰ء) کی تصنیف ہیں اور دونوں تلخیص المفتاح کی شروح ہیں۔

شمار	نام	وطن	سالِ وفات	کتاب
				مُطوّل بڑی اور دُوسری چھوٹی ۔ مفتاح العُلوم، علاّمہ سکاکی خوارزمی (۱۲۲۹ء) کی تصنیف ہے ۔ اِس کا خُلاصہ تلخیص المفتاح کے نام سے علاّمہ جلال الدّین محمد خطیب دمشق (۱۳۳۹ء) نے لکھا تھا)
۷۷	نُورالحق بن عبدالحق حقّی ۔	دہلی	۱۶۶۲ء	حاشیۂ شرحِ جامی
۷۸	غلام نقش بند	لکھنؤ	۱۷۱۴ء	رسالۃٌ فی عروض ابیات المُطوّل ۔
۷۹	نُورالدّین	احمد آباد	۱۷۴۲ء	حاشیۂ مُطوّل

۱۰ : شعر و ادب

بات طویل ہو رہی ہے - اِس لیے صرف چند ناموں پر اِکتفا کرتا ہُوں :-

شُمار	نام	وطن	سالِ وفات	کتاب
	اُدَبا :			
۱	قاضی شہابُ الدین	دولت آباد	۱۴۴۵ء	شرح قصیدۂ بانت سعاد
۲	عبدالنبی الشطّاری	-	۱۶۱۱ء	حدائق الانشاء
۳	سیّد عبدالجلیل	بلگرام	۱۷۲۵ء	الحکم العرفانیۃ
۴	محمد باقر آگاہ	مدراس	۱۸۰۵ء	کشف الغطاء وغیرہ
۵	سید احمد شہید	بریلی	۱۸۳۰ء	خطوط
	شُعَراء :			
۱	مسعُود سعد سلمان	لاہور	۱۱۳۱ء	عربی میں دیوان
۲	قاضی عبدالمقتدر	دہلوی	۱۳۸۸ء	قصائد
۳	محمد بن عبدالعزیز المعبری -	کالی کٹ	نویں صدی ھجری	کئی نظمیں
۴	علی اصغر قنوّجی وغیرہ		۱۷۲۷ء	قصائد

پروفیسر زُبید نے اپنی کتاب میں اندازاً ایک ہزار عُلماء اور ڈیڑھ ہزار کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ اِن میں ایک چوتھائی بیرُونی عُلماء ہیں۔ کتابوں میں بھی بیرُونی کتابوں کی نسبت یہی ہوگی۔

اِس حساب سے ہندی عُلماء کی تعداد ساڑھے سات سو بنتی ہے، اور اُن کی تصانیف کی ایک ہزار۔

ہندوؤں میں عربی و فارسی کا شوق

ہندوستان میں ہزار سالہ ہندو مُسلم اختلاط کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ہندوؤں میں عربی و فارسی کا شوق پیدا ہوگیا۔

تاریخ یہ بتلانے سے قاصر ہے کہ ہندوؤں میں عربی کے عُلماء کون کون سے تھے۔ البتہ فارسی کے ہندو شُعراء و اُدباء کی ایک طویل فہرست دورِ مغلیہ کے تذکروں سے مرتب ہوسکتی ہے۔

ایک چھوٹی سی فہرست حاضر ہے۔ یہ فہرست پیش کرنے سے پہلے یہاں یہ تذکرہ شاید بے جا نہ ہو، کہ مَیں تین ایسے ہندوؤں کے نام سے آشنا ہوں۔ جو عربی کے فاضل تھے۔ یعنی:

۱: مولوی مہیش پرشاد

جو ۱۹۲۰ء میں میرے ساتھ اورنٹیل کالج لاہور میں پڑھتے تھے۔ اور مولوی فاضل کے طالب علم تھے۔ یہ بعد میں بنارس یونیورسٹی میں

اُستادِ عربی مقرر ہُوئے، اور اِس منصب پر غالباً ۱۹۵۶ء تک فائز رہے۔

۲ : مہاشہ رام چندر دہلوی

جو ایک شعلہ بیان مُقرّر و مُناظر تھا۔ سنہ ۱۹۱۴ء سے سنہ ۱۹۳۰ء تک اُس نے مولانا ثناءُ اللہ امرتسری سے کئی مُناظرے کیے۔ مَیں بھی بعض میں شامل تھا۔ آیات ــــ احادیث ــــ اور عربی اِقتباسات فرفر پڑھتا تھا۔

۳ : پنڈت لیکھرام (۱۹۰۴ء)

"آریہ مُسافِر" کا مُدیر۔ جس کی تحریرات عربی و فارسی اِقتباسات سے پُر ہیں۔

فارسی کے ہندو شاعر

شمار	نام	وطن	کتاب
۱	آرام - الشیر داس	دربارِ فرخ آباد سے وابستہ	
۲	آفرین - مجھن لال	الٰہ آباد	
۳	اخلاص - کالی پرشاد	لکھنؤ	
۴	اُلفت ـــــ راجہ اُلفت رائے	لکھنؤ	
۵	اُلفت ـــــ راجہ اُجاگر چند	عظیم آباد	
۶	اُلفتی - پیارے لال	عظیم آباد	مُصنّف "نیرنگِ تقدیر" (فارسی مثنوی)
۷	اِندرمن -	نواحِ دہلی	
۸	اُنس - لال چند	لکھنؤ	
۹	انند	بندرابن	رامائن کو بھاشا میں منتقل کیا۔
۱۰	نیس - ہرن لال	لکھنؤ	

شمار	نام	وطن	کتاب
۱۱	بدر — گنگا پرشاد	لکھنؤ	
۱۲	بہار — ٹیک چند	-	سراج الدین آرزو کا شاگرد، اور "بہارِ عجم" کا مصنف۔
۱۳	بہجت — مکھن لال	بلگرام	
۱۴	بے تکلف — سدانند	لکھنوتی	فارسی شعراء کا ایک تذکرہ بھی لکھا۔
۱۵	تفتہ — ہرگوپال	ضلع دہلی	تلمیذِ غالب
۱۶	تمنا — مکھن لال	شکوہ آباد	
۱۷	ثاقب — مہاراجہ شیو پرشاد جی گوپال سنگھ	گھاٹم پور (کانپور)	واجد علی شاہ کا درباری "تاریخِ دہلی" — اور "نادرات الثاقب" کا مصنف۔
۱۸	حیا — شیو رام (۱۰۴۴ھ)	اکبر آباد	
۱۹	خاموش — صاحب رام	بنارس	ایک دیوان چھوڑا
۲۰	خوشدل — رائے امر سنگھ (۱۲۲۵ھ)	غازی پور	محمد شاہ کا منصب یافتہ

شمار	نام	وطن	کتاب
۲۱	خیالی ــــ خیالی رام (۱۲۸۹ھ)	لکھنؤ	
۲۲	زہیر ــــ لچھمی نارائن	نواحِ لاہور	غنیمت کنجاہی کا شاگرد
۲۳	ذرّہ ــــ بہار چند	فرخ آباد	
۲۴	راقم ــــ بختاور سنگھ	لکھنؤ	
۲۵	رحمی ــــ کنور سُکھ راج	عظیم آباد	
۲۶	رفعت ــــ میکو لال	لکھنؤ	
۲۷	رفیق ــــ داتا رام	-	
۲۸	رونق ــــ رام سُہا	لکھنؤ	
۲۹	زاہد ــــ مینڈو لال	لکھنؤ	
۳۰	زخمی ــــ مہاراجہ رتن سنگھ	بریلی	درباری ــــ نواب آصف الدولہ، لکھنؤ۔
۳۱	سبقت ــــ سُکھ راج (۱۱۳۸ھ)	لکھنؤ	اس کے آباء دربارِ دہلی کے پروردہ تھے۔
۳۲	سرشار ــــ ہیرا لال	نواحِ لکھنؤ	
۳۳	سرزوری ــــ رائے بنسی	لکھنؤ	
۳۴	شرق ــــ منشی دولت رام	لکھنؤ	واجد علی کا مدّاح
۳۵	صاحب رام (۱۲۵۰ھ کے قریب)	لکھنؤ	

شمار	نام	وطن	کتاب
۳۶	ضمیر — کنور ہیرا لال	عظیم آباد	
۳۷	عاصی — طوطا رام	لکھنؤ	
۳۸	عدنی — بیج ناتھ	لکھنؤ	
۳۹	گلشن — گلاب رائے	لکھنؤ	تذکرۂ شعرار کا مصنف
۴۰	عشق — راجہ جیا لال	لکھنؤ	
۴۱	لایق — پنڈت بے گوپال	لکھنؤ	
۴۲	مائل — مٹھن لال	لکھنؤ	
۴۳	مخفی — ہری ہر ناتھ	عظیم آباد	
۴۴	مختار — رائے بیتل داس	لکھنؤ	
۴۵	مدہوش — درگا پرشاد	دہلی	اس کا والد جی نارائن شاہ عالم کا درباری تھا۔
۴۶	مرشد — مٹھو لال	الٰہ آباد	
۴۷	مشتاق — بیج ناتھ	بریلی	
۴۸	مشرب — بھورے بنگو	اکبر آباد	
۴۹	مصاحب — مصاحب رام	کشمیر	
۵۰	مضطرب — چھنی لال	الٰہ آباد	
۵۱	مضطر — مٹھو لال	لکھنؤ	

	وطن	نام	شمار
	قنوج	مطیع — رام بخش	۵۲
	کشمیر	معدوم	۵۳
	-	ممتاز — لالہ سیتل داس	۵۴
جہاندار کا امیر انشا۔	نواحِ دہلی	منشی — مادھورام	۵۵
از امرائے اکبر	-	منوہر — رائے منوہر	۵۶
	بدایوں	موجد — سکھن لال	۵۷
مصحفی کا شاگرد	لکھنؤ	موجی — موجی رام	۵۸
دورِ شاہ عالم کا شاعر	نواحِ عظیم آباد	موزوں — رام نرائن	۵۹
	شاہ جہان آباد	موزوں — راجہ مدن سنگھ	۶۰
واجد علی کا درباری	لکھنؤ	نادم — منشی مینڈولال کا بھائی	۶۱
	لکھنؤ	ناطق — دھنپت رائے	۶۲
	لکھنؤ	نحیف — رائے چھنی لال	۶۳
	تھانیسر	ندرت — حکم چند	۶۴
	لکھنؤ	ندیم — شیو غلام	۶۵
	الٰہ آباد	نظمی — مول چند	۶۶
	لکھنؤ	نقاد — پنڈت جے گوپال	۶۷

شمار	نام	وطن	
۶۸	نوش — منوہر لال	بھوپال	نعت گو بھی تھا۔
۶۹	واثق — مکھن لال	نواحِ لکھنؤ	
۷۰	وامق	سیالکوٹ	مُلّا عبدالحکیم کے ہاتھ پر مُسلمان ہُوا — اور اخلاص خان نام رکھا گیا۔ اِسے اورنگ زیب نے بھی نوازا (۱۱۴۳ھ)
۷۱	وحید — ہزاری لال	بریلی	
۷۲	وفا — پنڈت دیا ناتھ	بریلی	
۷۳	وفا — منگلی لال	لکھنؤ	
۷۴	وقار — مُنشی جوالا پرشاد	لکھنؤ	اِس کا دیوان ایکدفعہ طبع ہُوا تھا۔
۷۵	ہندُو — شِوسِنگھ	لکھنؤ	
۷۶	ہندُو — گوکل چند	فرّخ آباد	

نوٹ :-

یہ فہرست سیّد علی حسن خان بن نواب صدّیق حسن خان کی تصنیف "صُبحِ گلشن" طبعِ بھوپال ۱۸۹۵ء سے تیار کی گئی ہے۔ یہ کئی سو فارسی شعُراء کا ضخیم تذکرہ ہے۔ کوئی ۶۵۰ صفحات پر مشتمل۔

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے اپنی کتاب "ادبیاتِ فارسی میں ہندوؤں کا حصّہ" میں اندازاً پونے دوسو ہندو شعراء کے نام دیے ہیں۔

فارسی کے ہندو مُصنّفین

ہندو عہدِ مُغلیہ میں فارسی کی طرف متوجہ ہوئے اور انھوں نے فارسی ادب میں کافی اضافہ کیا۔ مثلاً :-

شُمار	کتاب کا نام	مُصنّف
۱	چہار چمن	چندر بھان
۲	شاہ جہان نامہ	بھگونت داس
۳	گوالیار نامہ	منشی ہیرامن
۴	لُبُّ التواریخ	بندرابن داس
۵	خُلاصتہ التواریخ	منشی سُجان رائے بٹالوی
۶	تاریخ کشمیر	نرائن کول عاجز
۷	تاریخ دِل کُشا	بھیم سین ولد رگھونندن
۸	انشائے مادھورام	ہرکرن مادھورام
۹	نگار نامہ	منشی ملک زادہ
۱۰	بھجت انجمن	اُودھے راج

شمار	کتاب کا نام	مصنف
۱۱	مصطلحات	سیالکوٹی مل وارستہ
۱۲	بہارِ عجم (لغت)	ٹیک چند بہار
۱۳	تاریخ محمد شاہی	خوشحال چند کائستھ
۱۴	چہار گلشن	رائے چتر مَن کائستھ
۱۵	ماثرِ حیدری، شام غریباں، تذکرۂ چمنستانِ شعراء، تذکرۂ گلِ رعنا۔	لچھمی نرائن شفیق
۱۶	مرآۃُ الاصلاح	انند رام مخلص
۱۷	عمدۃُ التواریخ	منشی سوہن لال
۱۸	مجمع التواریخ	پنڈت کاچرو
۱۹	خلاصۃِ التواریخ	کلیان سنگھ
۲۰	منتخب التواریخ	سداسکھ نیاز
۲۱	امیر نامہ	بساون لال شاداں
۲۲	گلزارِ کشمیر	رائے کرپا رام
۲۳	وقائع معین الدین چشتیؒ۔	بابو لال
۲۴	انیس العاشقین، (تذکرۂ شعراء) نیز دیوان	رتن سنگھ زخمی

شمار	کتاب کا نام	مصنف
۲۵	حقیقتہائے بے خود۔ (باباگرونانک کے سوانح)	رام سیتا سنگھ نکہت
۲۶	دستور الصبیان	نوندہ رام
۲۷	دو دیوان	ذوقی رام حسرت

(مسلم ثقافت: ص۵۵۵ ـ ص۵۶۷)

اُردو کے ہندو اُدبا و شعرا

اُردو ایک خالص ہندوستانی زبان ہے۔ جو ہندی اور فارسی کے ملاپ سے پیدا ہوئی تھی۔

ہندی اور اُردو میں فرق یہ ہے، کہ اُس پر سنسکرت غالب ہے، اور اِس پر عربی و فارسی۔ اور شاید اِسی بنا پر بھارت نے اِسے تمام دفاتر اور مدارس سے باہر نکال دیا ہے۔

بایں ہمہ یہ ایک تاریخی صداقت ہے، کہ اس زبان کو ہندؤں اور مسلمانوں دونوں نے مل کر پالا، اور یہ ہزار سالہ ہندو ــــــ مسلم اختلاط کی ایک حسین یادگار ہے۔

ہندو ادیب

ہندو ادیبوں کی طویل فہرست میں سے صرف چند نام پیش کرتا ہوں :-

۱ : نہال چند لاہوری (۱۸۰۲ء ــــ زندہ) تاج الملوک، اور گل بکاؤلی کا مصنف۔ گل بکاؤلی ایک داستان ہے جو عزت اللہ بنگالی نے فارسی میں لکھی تھی۔ اس نے ترجمے کا نام بھی وہی رکھا، جو اصل کا تھا۔

۲ : کلّو لال جی گجراتی (۱۸۱۰ء — زندہ) نے "لطیف حکایات" لکھیں۔

۳ : بینی نرائن (۱۸۱۲ء — زندہ) کا تذکرۃ الشعرا بہت مشہور ہے۔

۴ : منشی طوطا رام (۱۸۶۸ء — زندہ) نے "الف لیلہ" کا اردو ترجمہ کیا۔

۵ : منوہر لال فیض آبادی (۱۹۲۱ء — زندہ) نے "گلدستۂ ادب" لکھی۔

۶ : منشی دیا نرائن نگم کانپوری (پ ۱۸۸۴ء) کا رسالہ "زمانہ" مدتوں نکلتا رہا۔

۷ : لالہ سری رام دہلوی (۱۹۲۶ء — زندہ) کا مشہور تذکرۂ شعراء "خمخانۂ جاوید" (چار جلد) ہر لائبریری کی زینت ہے۔

۸ : جوالا پرشاد برق سیتاپوری (۱۹۱۱ء) نے شیکسپیئر کے کئی ڈرامے اردو میں منتقل کیے۔

۹ : رتن ناتھ سرشار کشمیری (۱۹۰۲ء) کے فسانۂ آزاد سے ہر کوئی آگاہ ہے۔ اس کی دیگر تصانیف "سیر کہسار" "جام سرشار" "خدائی فوجدار" وغیرہ ہیں۔

۱۰ : پنڈت برج نرائن چکبست فیض آبادی (۱۹۲۶ء) بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ نثار بھی تھا۔

(محمد عسکری : تاریخ ادب اردو
اشاعت گلوب پبلشرز - لاہور)

ہندو شعراء

نامناسب نہ ہوگا۔ اگر یہاں اردو کے چند ابتدائی ہندو شعراء کا بھی ذکر کردیا جائے :۔

● ۱۶۰۰ء ــــ ۱۷۰۰ء

۱ : ولی رام ولی ۔ شاہ جہان آبادی ۔ داراشکوہ (۱۶۵۹ء) کا ندیم ۔

۲ : چندر بھان برہمن ۔ داراشکوہ کا منشی ۔

● ۱۷۰۰ء ــــ ۱۸۰۰ء

۳ : مہاراجہ بینی بہادر ــ بہادر لکھنوی ــ نواب شجاع الدولہ کا مصاحب ۔

۴ : جسونت سنگھ پروانہ ۔ بینی بہادر کا بیٹا ۔

۵ : سرب سنگھ دیوانہ ، دہلوی ۔

۶ : مرزا راجہ رام ناتھ بہادر ذرہ ۔ شاہ عالم (۱۷۰۸ء ــ ۱۷۱۲ء) کا ملازم ۔

۷ : بہادر ذرہ کا فرزند شنکر ناتھ صبا ۔ سعادت یار رنگین کا شاگرد ۔

۸ : صبا کا بھائی گوپال ناتھ غلام ۔ انشا کا شاگرد ۔

۹ : نول رائے وفا۔ والیٔ اودھ کا درباری۔
۱۰ : بشو سنگھ ظہور، دہلوی۔ انعام اللہ خان یقین کا شاگرد۔
۱۱ : سیتارام عمدہ کشمیری پمر دہلوی۔ خان آرزو کا دوست۔
۱۲ : ٹیک چند بہار۔ صاحب بہارِ عجم۔
۱۳ : انندرام مخلص۔ مرزا بیدل کا شاگرد۔
۱۴ : بندرابن راقم۔ متھرا کے رہنے والے۔ سودا کا شاگرد۔
۱۵ : لچھمی رام فدا، دہلوی۔ شاگردِ سودا۔
۱۶ : سداسکھ نثار دہلوی بھی سودا کا شاگرد تھا۔
۱۷ : جگمن ناتھ جگمن دہلوی۔ خواجہ میر درد کا مرید و شاگرد۔
۱۸ : بھکاری لال عزیز، دہلوی بھی میر درد کا شاگرد تھا۔
۱۹ : صاحب رائے فریاد لکھنوی۔ میر سوز کا شاگرد۔
۲۰ : گنگا پرشاد رند لکھنوی۔ شاگردِ جرأت۔
۲۱ : ٹیکا رام تسلی، لکھنوی۔ شاگردِ مصحفی۔
۲۲ : منوہر لال صبا لکھنوی۔ شاگردِ مصحفی۔
۲۳ : آفتاب رائے رسوا۔ شاہ جہان آبادی۔ عہدِ محمد شاہ (۱۷۱۹ء — ۱۷۴۷ء) کا شاعر۔
۲۴ : مہتاب رائے تاب، کشمیری۔ جو دہلی میں آباد ہو گیا تھا۔
۲۵ : مینڈو لال زار، لکھنوی۔

۱۸۰۰ء — ۱۹۰۰ء

۲۶ : راجہ مکھن لال مکھن، نے "رباعیاتِ عمر خیام" کا اردو

میں ترجمہ کیا۔

۲۷ : مہاراجہ چندو لال شاداں (۱۹۰۰ء) وزیر اعظم دکن (۱۸۴۵ء)

۲۸ : گردھاری پرشاد باقی، حیدر آبادی۔ گیتا کا منظوم فارسی ترجمہ کیا۔

۲۹ : باقی کا بھائی سری پرشاد احقر۔

۳۰ : راجہ کشن۔ راجہ۔ لکھنوی۔ مرزا جان تپش کا شاگرد۔

۳۱ : راجہ جادو کشن بہادر مشفق۔ رئیس کلکتہ۔

۳۲ : راجہ جگل کشور ظہور، دہلوی۔

۳۳ : ہر چند کشور۔ ہر چند، دہلوی۔

۳۴ : راجہ کدار ناتھ نسیم۔ راجہ ذرہ کا پوتا۔

۳۵ : راجہ پیارے لال الفتی عظیم آبادی۔

۳۶ : کنور شنکر تجلی، جونپوری۔

۳۷ : کشن پرشاد فرحت، دہلوی۔

۳۸ : راجہ کشن کمار، مراد آبادی۔

۳۹ : بلوان سنگھ راجا، بنارسی۔ مرزا حاتم علی بیگ کا شاگرد۔

۴۰ : کنور چکرورتی سنگھ کنور۔ بلوان سنگھ کا فرزند۔ اس کا دیوان "گل رعنا" کے نام سے شائع ہوا تھا۔

۴۱ : ایشر سنگھ نشاط۔ انشا کا شاگرد۔

۴۲ : اجودھیا پرشاد صبر۔ شاہ جہان آبادی۔ مومن اور شاہ نصیر کا شاگرد۔

۴۳ : سندر لال بیمل کشمیری پھر لکھنوی۔ صاحب دیوان۔

۴۴ : رام دیال سخن، لکھنوی۔

۴۵ : مُول چند مُنشی دہلوی ۔ شاگردِ شاہ نصیر ۔ اِس نے شاہانِ ایران کی تاریخ "شاہ نامہ" کے عنوان سے لکھی ۔

۴۶ : خُوب چند ذکا ، لکھنوی ۔ صاحبِ تذکرۃُ الشعراء ۔

۴۷ : رائے بہادر پیارے لال آشوب ، دہلوی ۔ مرزا غالب کا دوست ۔

۴۸ : راج نرائن ارماں ۔ متعدد اخبارات کا مُدیر بھی رہا ۔

۴۹ : ہرکشن سنگھ بیدار ، گورداس پور کا رئیس ۔ جس کے ہاں ایک مرتبہ داغ بھی بطورِ مہمان آئے تھے ۔

۵۰ : دیا شنکر نسیم ۔ آتش کا شاگرد ــــ صاحبِ "گلزارِ نسیم" (مثنوی) ۔

⁂ ⁂ ⁂

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے :-

۱ : دیبی پرشاد ۔ شعرائے ہنُود ۔
۲ : فتح علی حُسینی ۔ تذکرۂ ریختہ گویاں ۔
۳ : لچھمی نرائن شفیق ۔ چمنستانِ شعراء ۔
۴ : سری رام ۔ خمخانۂ جاوید ۔
۵ : مُصطفےٰ خاں شیفتہ ۔ گلشنِ بے خار ۔
۶ : عبدالمجید سالک ۔ مُسلم ثقافت ہندوستان میں ۔

کثرتِ اہلِ علم کی وجہ

اہلِ علم کی اِس کثرت کی بڑی وجہ یہ تھی، کہ ہمارے سلاطین علم نواز تھے محمود غزنوی کے دربار میں چار سو عُلماء و شعرا تھے۔

اِلتمش (۱۲۱۰ء — ۱۲۳۵ء) نے دہلی میں ایک شاندار دارالعلوم قائم کیا تھا۔ جس میں دُور دُور سے طلبہ آتے تھے۔

ناصرُ الدین محمُود (۱۲۴۶ء — ۱۲۶۵ء) اپنے ہاتھ سے قرآنِ مقدس کی کتابت کیا کرتا تھا۔ طبقاتِ ناصری کا مصنف ابوعُمر عثمان منہاج السراج (منہاجُ الدین بن سراجُ الدین) جُرجانی اِسی کا درباری عالم تھا۔

جلالُ الدین خلجی (۱۲۹۰ء — ۱۲۹۵ء) کے دربار میں امیر خُسرو، تاجُ الدین عراقی، خواجہ حسن جیسے درجنوں عُلماء تھے۔

علاؤُ الدین خلجی (۱۲۹۵ء — ۱۳۱۵ء) کو مساجد، قلعے، اور دارالعلوم بنوانے کا بہت شوق تھا۔ اور اس کے خزانۂ عامرہ سے قاضی مُغیثُ الدین، جمالُ الدین شاطبی، علاؤُ الدین مُقری اور شہابُ الدین خلیلی جیسے متعدد عُلماء کو وظائف ملتے تھے۔

محمد تُغلق (۱۳۲۴ء — ۱۳۵۱ء) کے دربار میں ایک ہزار شاعر، بارہ سو طبیب اور کئی سو دیگر عُلماء تھے۔

(سالک: مُسلم ثقافت ص۱۹۳)

فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ء — ۱۳۸۸ء) نے چالیس دار العلوم قائم کیے تھے۔ جن میں کئی سو علماء درس دیتے تھے۔

سکندر لودھی (۱۴۸۸ء — ۱۵۱۷ء) کا دربار علماء سے پُر تھا۔ اس نے سنسکرت کی ایک طبی کتاب "مہاویدک" کا فارسی ترجمہ کرایا۔ نیز "طبِ سکندری" کے نام سے ایک کتاب لکھوائی تھی۔

بابر (۱۵۲۶ء — ۱۵۳۰ء) دو کتابوں کا مصنف تھا۔

۱ : تُزُک ، اور

۲ : مفصّل

آخرُ الذکر عروض پر تھی۔ اس کے دربار میں خوند میر (حبیب السیر کا مصنف) مولانا شہاب الدین معمائی اور مرزا ابراہیم ہراتی جیسے متعدد علماء تھے۔

ہمایوں (۱۵۳۰ء — ۱۵۵۶ء) علمِ ہیئت و جغرافیہ کا بہت شوقین تھا۔ جب شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر بھاگا۔ تو اس مضمون کی کئی کتابیں ساتھ ساتھ لیے پھرا۔ اس نے مقربوں کو تین گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا :

۱ : علماء کو اہلِ سعادت ،

۲ : اُمراء کو اہلِ دولت ، اور

۳ : غرض مندوں کو اہلِ مُراد کہا کرتا تھا۔

اکبر (۱۵۵۶ء — ۱۶۰۵ء) نے علوم و فنون کو فروغ دینے کے لیے بہت کچھ کیا۔ اس نے طول و عرضِ ہند میں بے شمار دار العلوم کھولے۔ دار الحکومت میں اکمل لائبریری قائم کی۔ جس میں کمیاب مخطوطات کی تعداد ۲۴۰۰۰ تھی۔

شیخ عبدُالنبی دہلوی قاضی جلالُ الدین ہندی مُلّا سیّد سمرقندی اور مُلّا عبدُ اللہ سلطان پوری جیسے پچانوے عُلماء کے وظائف باندھے۔ اور عربی، تُرکی اور سنسکرت کی کئی اہم کتابیں فارسی میں منتقل کرائیں۔

- گیتا اور لیلاوتی کا فیضی نے۔
- پنچ تنتر کا ابُوالفضل نے۔
- اتھروید کا ابراہیم سرہندی نے۔
- مہابھارت ـ رامائن، جامع رشیدی اور سنگھاسن بتیسی کا مُلّا عبدالقادر بدایُونی نے۔ اور
- تُزکِ بابری کا خانخاناں نے ترجمہ کیا۔

اکبر کی دایہ ماہم انگہ نے دہلی میں ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنوایا تھا۔ جو اب کھنڈر بن چکا ہے۔

خانخاناں اور اُس کا لڑکا مرزا ایرج دونوں علم دوست تھے۔ خانخانان کوئی ایک سو عُلماء کی سرپرستی کرتا رہا۔ اُس کے پاس ایک نادر کُتب خانہ بھی تھا۔

جہانگیر (۱۶۰۵ء ـــ ۱۶۲۸ء) نے جب اپنی تُزک مکمّل کی۔ تو پہلا نسخہ اپنے فرزند شاہ جہاں کو دیا۔ اِس کے عہد میں قاضی نوراللہ شوستری مُلّا فاضل کابلی، میرابُوالقاسم گیلانی، عبدالحکیم سیالکوٹی اور مُلّا محمّد جونپوری جیسے مُتعدّد عالِم تھے۔

شاہ جہاں (۱۶۲۸ء ـــ ۱۶۵۸ء) کی تعمیرات میں سے دہلی کی مسجدِ جامع اور تاج محل عجائباتِ عالَم میں شُمار ہوتے ہیں۔ اس کے فرزندوں میں سے دارا شکوہ (۱۶۵۹ء) بلند پایہ عالِم تھا۔ اس نے اُپنشدوں کا ترجمہ

"سرِّ اکبر" کے عنوان سے کیا۔ گیتا، رامائن اور یوگ وشِشٹ کو بھی فارسی میں منتقل کیا۔ کئی طبع زاد کتابیں لکھیں۔

جن میں:

- سفینۃ الاولیاء (اولیاء کے حالات) اور
- سکینۃ الاولیاء (حضرت میاں میرؒ لاہوری اور اُن کے خُلفاء کے سوانح) کو بہت شہرت حاصل ہے۔

عالمگیر (۱۶۵۹ء ـــ ۱۷۰۷ء) کی تخلیقات میں سے صرف ایک باقی ہے۔ یعنی رقعاتِ عالمگیری۔ اِس نے نشرِ علوم کے لیے متعدّد مدارس کھولے ان میں سے ایک لکھنؤ کا دارالعلوم فرنگی محل تھا۔

عالم گیر کے بعد مُغلوں کی توجہ اُردو زبان کی طرف ہوگئی، اور تاریخ نے اِک نئی کروٹ لی۔

پاکستان

چین ، بھارت ، روس اور امریکہ کے بعد پاکستان دُنیا کی پانچویں بڑی سلطنت ہے۔ اور اسلامی ریاستوں میں سب سے بڑی۔ اِس کا رقبہ ۳۶۵۵۲۹ مربع میل ہے۔ مشرقی پاکستان ۵۵۱۲۶ اور غربی ۳۱۰۴۰۳ میل۔ آبادی کوئی ۱۳ کروڑ نفوس پر مشتمل ہے۔ اِن میں سے سات کروڑ مشرقی حصے میں آباد ہیں، اور باقی غربی میں۔

• پاکستانیوں کا کردار

اندازاً اسّی فیصد آبادی دیہات میں آباد ہے۔ یہ لوگ بڑے جفاکش، دیندار، قناعت شعار، اِسلامی اَقدار کے محافظ، راست باز، سرفروش اور جاں باز ہیں۔

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ ہند و پاک میں ان لوگوں نے ایثار، شجاعت اور جاں طلبی کا وُہ مظاہرہ کیا، کہ بھارت کے اکیس ڈویژنوں کے ہوش اُڑ گئے۔ گو گزشتہ سو سال سے تہذیب فرنگ اپنے تمام حربوں یعنی حیا سوز فلموں، عُریاں مُصوّر رسائل، اور بد آموز ادب سے ہمارے قلب و دماغ پہ مسلسل حملے کر رہی ہے۔ لیکن ہنوز ہمارے عقائد کے حصار مُسخّر نہیں ہو سکے۔ اِس میں کلام نہیں کہ ہماری شہری آبادی کا ایک حصّہ آوارہ، اخلاق باختہ اور لامذہب

ہو چکا ہے۔ لیکن سماج کے خوف سے یہ لوگ سامنے نہیں آتے۔ پیتے ہیں تو چھپ کر ۔ اور گناہ کرتے ہیں تو ہزار پردوں میں۔ اِن کالی بھیڑوں کو چھوڑ کر باقی ساری قوم بڑی خوبیوں کی مالک ہے۔ تیئس برس کی مختصر مدت میں اِس قوم کے عزم وعمل نے پاکستان کو یورپی ریاستوں کا ہمدوش بنا دیا ہے۔ کراچی سے چٹاگام تک ہر طرف کارخانے ہی کارخانے نظر آتے ہیں۔ ہزاروں اہلِ قلم کتابیں لکھ رہے ہیں۔ بے شمار انجینئرز مُلک کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ لاتعداد اساتذہ و اطباء جہالت و امراض کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ ہزار ہا عُلما نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔ گو ہر علاقے میں چند آدمی اسلام کی جہاں گیر اخوت کے مقابلے میں قبائلی تعصّبات اور مقامی تہذیبوں کو اُچھال رہے ہیں۔ لیکن اُن کی تعداد کم ہے ، اور حلقۂ اثر بہت محدود۔

قوم من حیث القوم انہی عظیم رِوایات کی حامل ہے۔ جن کا نچوڑ حضور صلعم نے اِن چند جملوں میں پیش کیا تھا :-

"تم سب آدم کی اولاد ہو ، اور آدم خاک سے پیدا ہُوا تھا
کسی عرب کو عجمی پر اور عجمی کو عرب پر فوقیت حاصل نہیں۔ صرف تقوی اساس عظمت ہے ، اور تم میں بڑا وہ ہے۔ جو زیادہ مُتقی ہو۔"

(خطبتہ الوداع)

اِس قوم نے پچھلے تیئس برس میں چند ایسے کارنامے دکھائے۔ جن پر دُنیا سر دُھن رہی ہے۔

یعنی :-

۱ : ہندوستان نے ڈیڑھ کروڑ مسلمانوں کو لُوٹ کھسوٹ کر پاکستان میں دھکیل دیا تھا۔ اِس قوم نے انھیں آباد کیا۔

۲ : بھارت نے ستلج ۔ بیاس اور راوی کا پانی روک لیا تھا۔ ہم نے منگلا ڈیم بنا کر اس نقصان کی تلافی کی۔ اور اب ہم تربیلا ڈیم بنا رہے ہیں۔ جس کی جھیل پچاس میل لمبی اور چار سو اسی فٹ گہری ہوگی۔ اس سے ہم اکیس لاکھ کلو واٹ بجلی پیدا کریں گے۔

یہ یاد رہے کہ اس وقت (۱۹۷۰ء) ہم صرف سات لاکھ کلو واٹ پیدا کر رہے ہیں۔ تین لاکھ منگلا سے ۔ اور چار لاکھ باقی دریاؤں، اور انجنوں سے۔ یہ ڈیم ۱۹۷۶ء میں مکمل ہوگا۔

۳ : ہم راولپنڈی کی شمالی پہاڑیوں میں اپنا پایۂ حکومت تعمیر کر رہے ہیں جس پر اس وقت تک نو ارب روپیہ صرف ہو چکا ہے۔ اس کی کشادہ، ہموار اور شفاف سڑکیں، میلوں میں پھیلے ہوئے سبزہ زار۔ وسیع آبادیاں اور پُر شکوہ عمارتیں ہمارے عزم اور ہماری حسین و جمیل تہذیب کی داستان سُنا رہی ہیں۔

۴ : ہم نے سُوئی کی قدرتی گیس کو کراچی، حیدر آباد، مُلتان، لائلپور اور لاہور تک پہنچایا، اور ڈھلیاں (ضلع اٹک) کی گیس کو راولپنڈی اور واہ تک۔

۵ : آزادی (۱۹۴۷ء) کے وقت پاکستان میں صرف چونتیس کارخانے تھے، اور آج دس ہزار سے زیادہ کارخانے کپڑا، چینی، کھاد، سگریٹ، پنکھے، موٹریں، ادویات، کاغذ، ربڑ اور لاتعداد دیگر اشیائے ضروریات تیار کر رہے ہیں۔ بعض اشیاء کی سالانہ پیداوار یہ ہے :-

۱	چینی [1]	:	چار لاکھ سولہ ہزار ٹن۔
۲	ڈالڈا	:	ایک لاکھ پانچ ہزار ٹن۔
۳	کاغذ۔ گتہ	:	چھیانوے ہزار ٹن۔
۴	سُوت	:	۵۳۱ ملین پونڈ۔
۵	سُوتی کپڑا	:	۷۳۹ ملین گز۔
۶	سیمنٹ	:	۲۱ لاکھ ٹن۔
۷	سگریٹ	:	۳۲ ہزار ملین۔
۸	چائے	:	۶۷ ملین پونڈ۔
۹	سائیکل کے ٹائر۔ ٹیوب	:	۱۷ لاکھ (تعداد)
۱۰	موٹروں اور انجنوں کے پُرزے	:	۳۰ ہزار ٹن۔
۱۱	روغن	:	۱۲ لاکھ گیلن۔
۱۲	صاف شدہ مٹی کا تیل اور پٹرول	:	ساڑھے چار لاکھ ٹن۔
۱۳	جوٹ کا سامان	:	سوا چار لاکھ ٹن۔

---

[1] : یہ معلومات پاکستان کی "سالانہ کتاب" برائے ۱۹۶۹ء سے ماخوذ ہیں۔

۱۴ : فطری گیس : یہ تیرہ مقامات سے پیدا ہو رہی ہے۔ ان میں سے سات غربی پاکستان میں ہیں، اور چھ مشرقی پاکستان میں۔ سوئی، ڈھلیاں۔ ماڑی وغیرہ غربی پاکستان میں اور سلہٹ، ٹیٹاز وغیرہ مشرقی پاکستان میں ہیں۔ ذخائرِ گیس کا اندازہ دو کروڑ بلین کیوبک فیٹ ہے۔ ۱۹۶۷ء میں ۸۸ ۳ ۲ ۸ بلین کیوبک فیٹ گیس کارخانوں اور گھروں میں استعمال ہوئی۔

• وسائلِ آمد و رفت

ہماری ریلوے لائن کی لمبائی ۶۶۱۷ میل ہے۔ ۴۹۹۹ میل غربی حصے میں اور ۱۶۱۸ مشرقی میں ہے۔ سڑکوں کی لمبائی دونوں حصوں میں ۲۱۷۵۸ میل ہے۔ بحری، تجارتی جہازوں کی تعداد اسّی کے قریب ہے۔ اور مسافر بردار طیاروں کی اندازاً پچاس۔

ملک میں سوا دو لاکھ ٹیلی فون محکمۂ ریل، بس کمپنیوں، جہازوں اور دیگر اداروں کی مدد کر رہے ہیں۔

• ریڈیو اور ٹیلی وژن

اس وقت ملک میں گیارہ ریڈیو سٹیشن ہیں۔ یعنی :-

۱ : ڈھاکہ
۲ : کھلنا

۳ : کراچی

۴ : حیدر آباد

۵ : کوئٹہ

۶ : خیر پور

۷ : ملتان

۸ : لاہور

۹ : راولپنڈی

۱۰ : پشاور

۱۱ : آزاد کشمیر

اور چار ٹیلی ویژن کارپوریشنز ۔ یعنی :۔

۱ : کراچی

۲ : لاہور

۳ : اسلام آباد ۔ اور

۴ : ڈھاکہ

ان سے ہر روز گانے ، مکالمے ، ڈرامے اور تقریریں نشر ہوتی ہیں ۔ جو ایک تہذیب نو کی تشکیل کر رہی ہیں ۔

• صحافت

تہذیب کی تعمیر میں صحافت کا حصہ سب سے زیادہ ہوتا ہے ۔ پاکستان سے اس وقت ۱۷۹۶ رسائل و اخبارات نکل رہے ہیں ۔ ان میں : انگریزی ، پشتو ، سندھی ، بلوچی ، عربی اور فارسی کے پرچے بھی

شامل ہیں۔
نیز وُہ میگزین جو کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلتے ہیں۔

پرچے کی قسم	مشرقی پاکستان	غربی پاکستان	میزان	
روزانہ اخبارات	۲۴	۷۸	۱۰۲	
ہفتہ میں دوبار	۶	۱۱	۱۷	
ہفتہ وار	۷۸	۲۵۷	۳۳۵	
پندرہ روزہ	۴۳	۱۱۳	۱۵۶	میزانِ اعظم :
ماہانہ	۱۵۲	۵۰۲	۶۵۴	۱۷۹۶
سہ ماہی	۲۷	۸۲	۱۰۹	
سالانہ	۱۹۳	۲۳۰	۴۲۳	(پاکستان کی سالانہ کتاب برائے
میزان :	۵۲۳	۱۲۷۳	۱۷۹۶	۱۹۶۹ء ص ۲۶۲)

اِن اخبارات و رسائل میں سے :

۷۲۰ : اُردو
۴۱۲ : بنگالی
۵۵۶ : انگریزی
۳۱ : پشتو
۵ : بلوچی

۵ : فارسی

۲ : عربی

۶۰ : سندھی

اور باقی پنجابی ، گجراتی وغیرہ میں ہیں۔

• آرٹس

یہاں نقاشی۔ تصویر گری اور دست کاری کی تعلیم کے لیے مندرجہ ذیل ادارے قائم ہیں :-

۱ : کالج آف آرٹس اینڈ کرافٹس ۔ ڈھاکہ
۲ : نیشنل کالج آف آرٹس ۔ لاہور
۳ : فائن آرٹس ڈیپاٹمنٹ ۔ پنجاب یونیورسٹی
۴ : ایوننگ آرٹ اکاڈمی ۔ لاہور
۵ : سنٹرل آرٹ انسٹی ٹیوٹ ۔ کراچی
۶ : کراچی سکول آف آرٹس ۔ ناظم آباد
۷ : دی انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ ڈیزائن ۔ کراچی

آج کل فطری مناظر کے بڑے بڑے چوکھٹے ہوٹلوں ۔ ریسٹورانوں ۔ قہوہ خانوں ۔ ہال کمروں ۔ سینماؤں اور سرکاری عمارات میں نظر آتے ہیں۔ یہ سب ان اداروں کے تربیت یافتہ طلباء یا اُن کے اساتذہ کی تیار کردہ ہیں ۔

ہمارے ہاں دیگر شعبوں کی طرح آرٹسٹوں کے بھی کئی طبقے ہیں۔
عبد الرحمان چغتائی ۔ صادقین ۔ اللہ بخش ۔ شیخ احمد ۔ سلطان ۔ زوبی۔

حاجی شریف ۔ ناگی ۔ شاکر علی ۔ مُبارک حسین اور شیخ صفدر صفِ اوّل میں شمار ہوتے ہیں ۔

اللہ بخش کا زیادہ رُجحان دیہات کے مناظر، دیہات کے باسیوں اور جنگلوں وغیرہ کی طرف ہے ۔

ناگی قبائلی لوگوں ۔ مزدُوروں اور مچھیروں وغیرہ کا گرویدہ ہے ۔

سُلطان اور مُبارک حسین مناظرِ فطرت کو پسند کرتے ہیں ۔

آج سے دو تین سال پہلے صادقین نے منگلا ڈیم کے لیے ایک فکر انگیز تصویر تیار کی تھی ۔ جو ایک سو ستر فٹ لمبی اور ۲۳ فٹ چوڑی تھی ۔ اس میں فرہاد و شیریں کے علاوہ ایک کونے میں چاند کی تصویر بھی ہے ۔ فرہاد "کوہ کندن و جوئے آب بر آوردن" کی علامت ہے ۔ اور چاند کا مطلب یہ کہ انسان بہت جلد چاند پر پہنچنے والا ہے ۔ یہ تصویر ہزاروں میں فروخت ہوئی ۔

کراچی کے پروفیسر عسکری قائدِ اعظم کی تصویر بنانے میں خاص ملکہ رکھتے ہیں ۔ اور پروفیسر سجاد ملیگ کا خاص موضوع اقبال ہے ۔ لاہور کے خالد اقبال اور سعید عسکری کی تصاویر بھی بہت مقبول ہیں ۔

• آرٹ کی نمائش

آزادی سے پہلے لاہور میں تصاویر کی نمائش صرف وائی ۔ ایم ۔ سی ۔ اے ہال میں ہُوا کرتی تھی ۔ لیکن اب کراچی ۔ لاہور ۔ راولپنڈی اور ڈھاکہ میں آرٹ کونسلیں بن گئی ہیں ۔ جہاں آئے دِن کوئی نہ کوئی مُصوّر اپنی تخلیقات کی نمائش کرتا رہتا ہے ۔

۶۸ ــــ ۱۹۶۷ء میں مندرجۂ ذیل فن کاروں نے نمائش کی :-

آرٹ کونسل لاہور میں :

- ← شیخ صفدر
- ← پروین طاہر
- ← مسعود کھاری
- ← کابل خان ممتاز
- ← عبدالوحید
- ← رحیل میاں جاوید
- ← اے۔ جے۔ شیمزہ
- ← مرتضیٰ بشیر
- ← انور سجاد
- ← علی امام
- ← اعجاز الحسن

آرٹ کونسل راولپنڈی میں :

- ← مبین الاعظم
- ← امین الاسلام ۔ اور
- ← مرتضیٰ بشیر

آرٹ کونسل کراچی میں :

- ← اے۔ بی۔ نذیر

:——— جمیل نقش
:——— اَینوَن قُریش
:——— کے ۔ جی ۔ مُصطفےٰ
:——— محمد جمیل
:——— مُسّرت مرزا

نیز ہند و پاک جنگ (۱۹۶۵ء) کی تصاویر ۔ جن میں سے کچھ غیر ملکی مُصوّرین کی تھیں ۔

ڈھاکہ میں :

:——— جہانگیر
:——— امین الاسلام
:——— رؤف و شمس الاسلام نظامی
:——— قمرالحسن

کراچی میں ہر سال پاکستانی دست کاریوں کی نمائش ہوتی ہے اور باقی شہروں میں گاہے ، گاہے ۔

ہر مُصوّر کے پاس ایک پیغام ہوتا ہے ۔ جسے وُہ رنگ و مُوقلم کی زبان سے سُناتا ہے ۔ وُہ اِس معاملہ میں فطرت کی پَیروی کرتا ہے ۔ فطرت بظاہر خاموش ہے ۔ لیکن در حقیقت پھُول کی ہر پتّی ۔ شبنم کا ہر قطرہ ، چاند کی ہر کرن اور بادِ بہار کی ہر موج ایک ایسا پیغام سنا رہی ہے ۔ جسے دِل تو سمجھ لیتا ہے ۔ لیکن زبان بیان نہیں کر سکتی ۔

⁂ ⁂ ⁂

• پاکستان کی لائبریریاں

پاکستان میں خیبر سے چاٹگام تک لائبریریوں کا ایک جال بچھا ہُوا ہے
یہاں تیرہ یونیورسٹیاں ہیں۔ ہر یونیورسٹی کے ساتھ ایک ایک لائبریری ہے۔
جس میں کتابوں کی تعداد دو لاکھ سے دس لاکھ تک ہے۔

مُلک میں سوا چار سو کالج بھی ہیں۔ ہر کالج کے ساتھ ایک ایک لائبریری ہے
جس میں کتابوں کی تعداد آٹھ ہزار سے پچیس ہزار تک ہوگی۔

چھوٹی چھوٹی لائبریریاں ہمارے چار ہزار ہائی سکولوں کے ساتھ بھی ہیں۔
دو سے چار ہزار کتابوں پہ مشتمل۔ مڈل سکولوں کے ساتھ بھی اوسطاً ایک ایک
ہزار کی لائبریریاں ہیں۔

کتابوں کے کچھ ذخائر افراد کے پاس ہیں۔

پاکستان میں آٹھ ہزار پروفیسر ہیں۔ اگر ہر پروفیسر کے پاس اوسطاً
ایک سو کتاب ہو، تو میزان آٹھ لاکھ بنتی ہے۔ پروفیسروں کے علاوہ بھی بہت
سے لوگ کُتب کے شوقین ہوتے ہیں۔ مثلاً :-

- وُکلاء
- ڈاکٹر
- عُلماء
- حُکام ۔ وغیرہ

ہمارے ضلع (اٹک) کے ایک مقام مکھڈ میں سات ہزار عربی وفارسی
کتابوں کی لائبریری ہے۔ ایک لائبریری حسن ابدال سے ۲ میل مشرق کی طرف
گڑھی افغاناں میں بھی ہے۔

ہمارے کالج (کیمبل پور) میں پندرہ ہزار کتابیں ہیں۔ مجھے ایک مرتبہ ایبٹ آباد میں میر ولی اللہ مرحوم (شارحِ دیوانِ حافظ) کی لائبریری دیکھنے کا اتفاق ہُوا۔ اندازہ یہ ہے، کہ اس میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں ہوں گی۔

راولپنڈی کے ایک ڈاکٹر کرنل عبدالعزیز (۱۹۶۲ء) کے پاس ۶۵ ہزار کتابیں تھیں۔ زیادہ تر عربی و فارسی کی۔ اِن میں کئی ہزار نایاب مخطوطات بھی تھے۔

لاہور میں مولانا غلام رسُول مہر۔ مولانا ظفر اقبال۔ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ ڈاکٹر محمد باقر۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ۔ جناب احمد ربانی بن ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (مرحُوم) جسٹس ایس۔ اے۔ رحمان۔ نقیر گھرانہ۔ اور بیسیوں دیگر اربابِ علم کے ہاں بڑی بڑی لائبریریاں ہیں۔

یہی حال دیگر بڑے بڑے شہروں یعنی :- ڈھاکہ۔ کراچی۔ پشاور۔ راولپنڈی۔ لائل پور۔ مُلتان اور حیدر آباد کا ہے۔

میرا اندازہ یہ ہے۔ کہ تمام سرکاری وغیر سرکاری درس گاہوں، اداروں اور اشخاص کے پاس کتابوں کی تعداد پانچ کروڑ سے کم نہیں ہوگی۔

حساب یُوں ہے :-

شُمار	درسگاہ۔ ادارہ افراد	تعداد	کتابیں فی ادارہ اوسطاً	میزان
۱	یونیورسٹیاں	۱۳	چھ لاکھ	۷۸ لاکھ
۲	کالج	۴۲۶	آٹھ ہزار	۳۴ لاکھ
۳	ہائی سکول	۴۰۰۰	تین ہزار	ایک کروڑ ۲۰ لاکھ

شمار	درسگاہ-ادارہ افراد	تعداد	کتابیں فی ادارہ اوسطاً	میزان
۴	مڈل سکول	۴۴۰۰	ایک ہزار	۴۴ لاکھ
۵	عربی مدارس	۵۰۰۰	تین ہزار	ایک کروڑ ۵۰ لاکھ
۶	پروفیسر	۸۰۰۰	ایک سو	آٹھ لاکھ
۷	بینک-میوزیم کلب وغیرہ	۲۰۰	دو ہزار	چار لاکھ
۸	عُلَما-وُکلا ڈاکٹر-طبیب وغیرہ	۲۰،۰۰۰	تین سو	ساٹھ لاکھ
			میزان:	چار کروڑ ۹۸ لاکھ

⁂ ⁂ ⁂

پاکستان کے اہلِ علم و قلم

اِس وقت اِسلامی ممالک میں پاکستان وُہ واحد مُلک ہے۔ جس کے عُلما، اُدبا، اور شعرا، کو شمار کرنا مُشکل ہے۔ عُلما میں فلسفی، مؤرخین، محدثین، مفسّرین، سائنس دان، ماہرینِ قانون سب شامل ہیں۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ پوری فہرست مرتّب کرنے کے لیے طویل مُدت چاہیئے۔ یہاں صرف چند نام پیش کرتا ہوُں :۔

۱ : مولانا سیّد ابوالاعلےٰ مودُودی۔ جہاد، تفہیمات، تفہیم القرآن، خُطبات اور دیگر چھوٹی بڑی ستر کتابوں کے مُصنّف۔ اِسلام کے بے باک ترجمان اور نظریۂ پاکستان کے دلیر محافظ۔

۲ : مولانا غلام احمد پرویز۔ اِسلام کے شارح۔ قرآن کے مفسّر، اور کوئی تیس علمی کتابوں کے خالق۔

۳ : مولانا صدرُالدّین اِصلاحی۔ کی کئی کتابیں نِکل چکی ہیں۔

۴ : حیدر زمان صِدّیقی، نظریۂ جہاد۔ اِسلامی نظریۂ اِجتماع، اِسلام کا معاشی نظام اور کئی دِیگر کتابوں کے مُصنّف۔

۵ : محمد نجات اللہ صِدّیقی، کئی عربی کتابوں کے مترجم نیز خالق۔

۶ : مولانا نعیم صِدّیقی۔ جن کے قلم سے محسنِ اِنسانیت، اور کئی دِیگر کتابیں نِکلیں۔

۷ : رئیس احمد جعفری (۱۹۶۸ء) جن کی کتابوں کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ہے۔ مثلاً :-

- تاریخِ تصوّفِ اسلام
- انوارِ اولیاء
- آثارِ امام شافعی (ترجمہ)
- امام ابوُحنیفہ (ترجمہ)
- سیرتِ آئمۂ اربعہ
- آں حضرتؐ (بحیثیتِ سپہ سالارِ افواج)
- واجد علی شاہ ۔ وغیرہ

۸ : مولانا سیّد نائب حسین نقوی ۔ جنھوں نے صحیح بخاری مشکوٰۃ ترمذی ، نسائی ، امام احمد بن حنبل (عربی) اور امام ابنِ تیمیہ (الوزہرہ) کو اُردو میں مُنتقل کیا۔

۹ : غلام احمد حریری نے بھی کچھ ترجمے کیے۔ مثلاً :-

- اِبنِ حزم (ابوزہرہ)
- اِبنِ قیّم (عبدالعظیم ۔ عبدالسلام)

۱۰ : مولانا غلام رسُول مِہرؔ کی تصانیف اور اُن کے تراجم کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے ۔ چند نام :-

- امام ابنِ تیمیہ ۔
- سیرتِ سیّد احمد بریلوی ۔
- جزیہ اور اِسلام (ترجمہ)
- اِسلام صراطِ مُستقیم (ترجمہ)

٭ تاریخِ لبنان (ترجمہ)

٭ تاریخِ شام (ترجمہ) وغیرہ

۱۱ : امام اللہ خان سرحدی نے طبع زاد تصانیف کے علاوہ حضرت غوثِ اعظم کی تصانیف فتوح الغیب، غُنیۃُ الطالبین اور الفتح الربّانی کو اُردو میں ڈھالا۔

۱۲ : جناب ارمان سرحدی نے علی بن ابی طالب اور غوثِ اعظم کے سوانح لکھے۔

۱۳ : سیّد ہاشمی فرید آبادی - ہیرلڈ لیم کی کتاب "بابر"۔ غازیانِ تہذیب (جوزف ہائیم) کے مترجم اور تاریخِ ملّتِ عربی تاریخ مسلمانانِ پاکستان و ہند وغیرہ کے مُصنّف ہیں۔

سیّد جلال الدین عمری - ابُوسلیم محمد عبدالحیٔ - خلیل حامدی - حضرت مُفتی محمد شفیع - مُفتی محمد یُوسف صاحب - جناب ثروت صولت - مولانا امین احسن اِصلاحی - مولانا محمد حنیف ندوی - سیّد جعفر شاہ پھلواری - جناب شاہد حُسین رزّاقی - ڈاکٹر مظہرالدّین صِدّیقی - ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ - ڈاکٹر محمد رفیع - ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ - ڈاکٹر محمد باقر - ڈاکٹر محمد حمیداللہ ڈاکٹر اشتیاق حُسین قریشی - ڈاکٹر نصیر احمد ناصر - سیّد نصیر جامعی - جنرل اکبر خان - اسعد گیلانی - پروفیسر عبدالصمد صارم - سیّد نذیر نیازی - پروفیسر عبدالمنّان عمرؔ - ڈاکٹر بُرہان احمد فارُوقی - امام یحییٰ خانِ نوشہروی جناب نسیم حجازی - مولانا کوثر نیازی - پروفیسر خورشید احمد - ڈاکٹر جاوید اقبال - اور سینکڑوں دیگر عُلما اِسلام پہ مسلسل لکھ رہے ہیں۔ اور مغربی پاکستان کے اندازاً نوّے پبلشرز انھیں چھاپ کر عوام تک پہنچا رہے ہیں۔

حال ہی میں کسی باہمت نے تازہ مطبوعاتِ پاکستان کی ایک ڈائرکٹری شائع کی ہے۔ اندازاً بارہ سو صفحات پر مشتمل۔ اس میں ان کی تخلیقات کی فہرست دیکھی جا سکتی ہے۔

ہمارے ہاں تالیف و تحقیق کے کچھ ادارے بھی ہیں۔

مثلاً :-

۱ : مرکزی اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ راولپنڈی۔
۲ : مجلسِ اقبال۔ کراچی
۳ : مجلسِ اقبال۔ لاہور
۴ : انجمنِ ترقیِ اردو۔ کراچی
۵ : مجلسِ ترقیِ ادب۔ لاہور
۶ : اردو بورڈ۔ کراچی
۷ : مرکزی اردو بورڈ۔ لاہور
۸ : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ لاہور
۹ : شاہ ولی اللہ اکاڈمی۔ سندھ
۱۰ : عائشہ بوانی ٹرسٹ۔ کراچی
۱۱ : ادارۂ ترجمان القرآن۔ لاہور
۱۲ : ادارۂ طلوعِ اسلام۔ لاہور
۱۳ : دائرۂ معارفِ اسلامیہ۔ پنجاب یونیورسٹی۔
۱۴ : پنجابی ــــ اکاڈمی۔ لاہور
۱۵ : حلقۂ اربابِ ذوق۔ لاہور
۱۶ : پشتو اکاڈمی۔ پشاور

۱۷ : رائٹرز گلڈ - کراچی

۱۸ : ادارۂ معارفِ اسلامیہ - کیمبل پور

۱۹ : مجلسِ شاہ مُراد - چکوال

۲۰ : اُردو اکاڈمی - سندھ

اور کئی دیگر !

اُدبائے پاکِستان

ہمارے ہاں افسانہ، مضامین، اور ناول لکھنے والے اِتنے ہیں کہ اِنھیں گِننا مُشکل ہے۔

مغربی پاکِستان میں:

- امتیاز علی تاج
- خدیجہ مستور
- احمد ندیم قاسمی
- ممتاز مفتی
- اختر حسین رائے پوری
- اے۔ حمید
- شوکت حسین تھانوی
- عصمت چغتائی
- اُلفت مِنہاس
- جمیلہ ہاشمی
- ڈاکٹر وزیر آغا
- بانو قدسیہ
- عبداللہ حسین
- رضیہ بٹ
- نثار عزیز
- الطاف فہمی
- ابراہیم جلیس
- وقار بن اِلٰہی
- قدرت اللہ شہاب
- اشفاق احمد
- رئیس احمد جعفری
- اصغر بٹ
- عزیز احمد
- عبدالقدیر رشک

- طاہر جمیل
- ابن انشاء
- رشید اختر ندوی
- عابدی جعفر
- محمد سعید
- عذرا جمال
- عشرت رحمانی
- کرنل محمد خان (بہ جنگ آمد)

اور ⁘ کمال احمد رضوی

کے اسمائے گرامی سے ہر کوئی آگاہ ہے۔

مشرقی پاکستان میں :

- میر مشرف حسین
- اسماعیل حسین شیرازی
- قاضی امداد الحق
- لطف الرحمان
- واجد علی
- ابراہیم خان
- ابو الفضل
- ولی اللہ ابو رشد
- شمس الدین ابو الکلام
- شوکت عثمان
- ڈاکٹر شہید اللہ
- ڈاکٹر انعام الحق

اور عبد اللطیف چوہدری کا بہت چرچا ہے۔ شہید اللہ اور لطیف چودھری نے ادب بنگال کی تاریخ بھی لکھی ہے۔

شعرائے پاکستان

ہمارے ہاں شعرا کی تعداد پانچ ہزار سے کم نہیں ہو گی۔ اِن میں سے بہت ممتاز یہ ہیں :-

مغربی پاکستان :

- جوش ملیح آبادی
- فیض احمد فیض
- احمد ندیم قاسمی
- حفیظ جالندھری
- ن۔م۔راشد
- احسان دانش
- شورش کاشمیری
- عبدالعزیز خالد
- جعفر طاہر
- سید مصطفیٰ زیدی
- احمد فراز
- خاطر غزنوی
- محسن اِحسان
- قتیل شفائی
- فارغ بخاری
- سیف الدین سیف
- حمایت علی شاعر
- قیوم نظر
- ظہور نظر
- اختر ہوشیارپوری
- حفیظ ہوشیارپوری
- طفیل ہوشیارپوری
- حبیب جالب
- جمیل ملک

٭ عبد العزیز فطرت (مرحوم)	٭ مُنیر نیازی
٭ ضمیر جعفری	٭ مجید امجد
٭ محسن بھوپالی	٭ منظور عارف
٭ نعیم صدیقی	٭ مُنیر بن عظیم (مُنّو بھائی)
٭ سرمد صہبائی	٭ امجد اسلام
٭ شہزاد احمد	٭ عرش صدیقی
٭ سحر انصاری	٭ ادا جعفری
٭ رشیدہ سلیم سیمیں	٭ پروین فنا سیّد
٭ کِشور ناہید	٭ افضل منہاس
٭ ادیب سُہیل	٭ فہمیدہ ریاض

اور سینکڑوں دیگر ——— جن کے کلام سے ملک کے اخبارات اور رسائل بھرے پڑے ہیں۔

مشرقی پاکستان :

مُسلمانوں سے پہلے بنگال کی شاعری پر ہندو مائتھالوجی چھائی ہُوئی تھی۔ مسلمانوں نے زندگی کا ایک انوکھا رُخ پیش کیا، اور ہر موضوع پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے لکھنا شروع کیا۔

شاہ محمد صغیر (چودھویں صدی عیسوی) پہلا بنگالی شاعر ہے۔ جس نے ایک مذہبی داستان یعنی یُوسف ـــ زُلیخا کو منظوم کیا تھا۔ دوسو سال بعد دولت وزیر بہرام خان نے لیلیٰ ـ مجنوں لکھی۔

قرنِ رواں کا سب سے بڑا شاعر نذر الاسلام ہے۔ اِس کا کلام

ولولۂ حیات سے سرشار اور جوشِ انقلاب سے معمور ہے۔ اِس میں بغاوت کے بھپرے ہوئے نعرے۔ آلامِ معاشرہ کے افسانے اور ہمارے تابناک ماضی کی داستانیں شامل ہیں۔ اس کی تیس تصانیف میں :

- باغی
- چنپا کا رقص
- زہریلی بنسی
- سدا بہار ، اور
- بربادی کے گیت

بھی شامل ہیں۔ یہ ۱۹۴۵ء میں حضور صلعم کی سیرت لکھ رہے تھے، کہ یکدم خاموش ہوگئے، اور آج تک نہیں بولے۔

باقی شعرا میں سے چند ایک بڑی شہرت کے مالک ہیں۔

مثلاً :-

شمار	نام	مجموعۂ کلام و دیگر تصانیف	کیفیت
۱	جسیم الدین	راکھلی۔ پدماپار۔ ماتر کانا۔ رُوپا بتی	بنگال کی عوامی روایات کا گرویدہ
۲	شہادت حسین	رُوپا چندا	ڈھاکہ۔ طبع ۱۹۴۷ء
۳	بدل الرشید	پنتھا بینا	ڈھاکہ۔ طبع ۱۹۴۷ء
۴	عبدالقادر	دِل رُبا	طبع ۱۹۴۸ء
۵	روشن اِزدانی	راہ گیر	طبع ۱۹۴۸ء

شمار	نام	مجموعۂ کلام اور دیگر تصانیف	کیفیت
۶	امین الاسلام چوہدری	جوڑے	طبع ۱۹۴۹ء
۷	غلام مصطفےٰ	ترانۂ پاکستان، مسدسِ حالی، بنی آدم، کلامِ اقبال	اسلامی شاعر
۸	عبدالرشید خان	نکشترا۔ بوندیٔ مہزتہ	طبع ۱۹۵۱ء و ۱۹۵۲ء بالترتیب
۹	ابوالکلام مصطفےٰ	شکوہ و جوابِ شکوہ	اسلامی اقدار کا مبلغ
۱۰	فرخ احمد	شت شاگر، ماجھی سراجا منیرا	ایضاً
۱۱	محمد محفوظ اللہ	پرلو بنگلہ گوتہ	طبع ۱۹۵۴ء
۱۲	اشرف صدیقی	لبش کنیا	طبع ۱۹۵۵ء
۱۳	احسن حبیب	راتری شیش	طبع ۱۹۵۵ء
۱۴	عطاءُ الرحمان	دُوئی ریتو	طبع ۱۹۵۶ء
۱۵	معین الدین	ناؤ	طبع ۱۹۵۶ء
۱۶	مطیع الاسلام	شاپٹا کنیا	طبع ۱۹۵۷ء
۱۷	اشرف علی خان	کنکال	طبع ۱۹۵۸ء
۱۸	عبدالغنی	سمتثیہ دان	طبع ۱۹۵۹ء
۱۹	عبدالرشید	امیر سوداگر	طبع ۱۹۵۹ء
۲۰	عبدالستار	برشتی گھار	طبع ۱۹۵۹ء

شمار	نام	مجموعۂ کلام و دیگر تصانیف	کیفیت
۲۱	علی اشرف سید	چیتڑا جا کھن	طبع ۱۹۵۹ء
۲۲	صوفی ذوالفقار	تبنگہ تلوز	طبع ۱۹۵۹ء
۲۳	قادر نواز	بنیل گڈی	طبع ۱۹۶۰ء
۲۴	شمس الرحمان	روڈرا کروتی	طبع ۱۹۶۰ء
۲۵	ولایت حسین اکھنڈ	ناتن پربجات	طبع ۱۹۶۱ء
۲۶	محمودہ خاتون صدیقی	مانو سر تِسکا	طبع ۱۹۶۱ء
۲۷	محمد منیر الزمان	ڈر لبھہ	طبع ۱۹۶۱ء
۲۸	بے نظیر احمد	بساکھی	طبع ۱۹۶۲ء
۲۹	بندے علی میاں	کبتیا بتھیکہ	طبع ۱۹۶۲ء
۳۰	احسن آرا	بنیل سپنا	طبع ۱۹۶۲ء
۳۱	لطیفہ ہلالی	ایک آکاشش	طبع ۱۹۶۲ء
۳۲	تعلیم حسین	شاھین	طبع ۱۹۶۲ء
۳۳	المحمود	لوک لوکنتر	طبع ۱۹۶۳ء
۳۴	صوفیہ کمال	جیون	طبع ۱۹۶۶ء

اور بھی بے شمار شاعر ہیں۔ مثلاً :-

- شوکت عثمان
- ابو رُشد
- ولی اللہ
- واجد علی
- ابراہیم خان
- اِمدادُ الحق
- میر مشرّف حسین
- سکندر ابو جعفر وغیرہ

لیکن ہم اِنہی ناموں پہ اِکتفا کرتے ہیں۔

پاکستان کی درس گاہیں

پاکستان میں کچھ درس گاہیں خاص نوعیت کی ہیں۔ مثلاً :۔

- پاکستان سول سروس اکاڈمی ۔ لاہور
- نیپا ۔ لاہور
- ایڈمنسٹریٹو سٹاف کالج ۔ لاہور
- پاکستان ملٹری اکاڈمی ۔ کاکول
- ایئر فورس اکاڈمی ۔ رسالپور
- ملٹری سٹاف کالج ۔ کوئٹہ
- بحریہ کالج ۔ کراچی
- ملٹری انجینئرنگ کالج ۔ رسالپور
- ایئر فورس انجینئرنگ کالج ۔ کراچی
- درجن بھر پالی ٹکنیک سکولز
- کمپری ہنسیو ماڈرن سکولز
- واپڈا
- ریلوے
- سروے
- صنعتی کارپوریشن

- اکونٹنسی
- کامرس
- فارسٹ
- ٹیلی ویژن
- ریڈیو

اور دیگر متعدد شعبوں کی تربیتی درس گاہیں۔ فوج کے خاص سکول، جہاں گنٹری۔ سگنلنگ۔ سروے وغیرہ کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ ہمیں نہ ان کی صحیح تعداد کا علم ہے، اور نہ اس امر کا، کہ ان میں تعلیم پانے والے دو ہزار ہیں یا بیس ہزار۔ البتہ عام درس گاہوں کے متعلق ہر سال ایک رپورٹ نکلتی ہے۔ جس میں ہمارے مدارس و طلبا کی تعداد درج ہوتی ہے۔ اس وقت میرے سامنے پاکستان کی سالانہ کتاب برائے ۱۹۶۹ء پڑی ہے۔ اس میں ۱۹۶۸ء تک کے اعداد و کوائف درج ہیں۔

ان کا ملخص یہ ہے:-

ہماری یونیورسٹیاں

اس وقت پاکستان میں تیرہ یونیورسٹیاں ہیں۔ یعنی :-

۱ : کراچی - یونیورسٹی
۲ : حیدر آباد - یونیورسٹی
۳ : لائل پور - زرعی یونیورسٹی
۴ : لاہور - یونیورسٹی
۵ : لاہور - انجینئرنگ یونیورسٹی

۶ : اسلام آباد - یونیورسٹی

۷ : کوئٹہ - یونیورسٹی (جلد قائم ہو رہی ہے)

۸ : بہاولپور - یونیورسٹی (یہ دینی علوم کی یونیورسٹی ہے)

۹ : ڈھاکہ - یونیورسٹی

۱۰ : ڈھاکہ - انجینئرنگ یونیورسٹی

۱۱ : میمن سنگھ - زرعی یونیورسٹی

۱۲ : راجشاہی - یونیورسٹی

۱۳ : چٹاگام - یونیورسٹی

ہر یونیورسٹی کے ساتھ عموماً یہ کالج ہوتے ہیں :-

- آرٹس کالج
- میڈیکل کالج
- انجینئرنگ کالج
- کامرس کالج
- فزیکل ٹریننگ کالج
- ہوم اکنامکس کالج
- سائنس کالج - وغیرہ

۱۹۶۸ء میں پاس ہونے والے طلبا کی تعداد یہ تھی :-

۱ : میٹرک : تقریباً تین لاکھ

۲ : انٹر : ۷۰ ہزار

۳ : گریجویٹ : ۲۴ ہزار

۴ : ایم - اے / ایم - ایس - سی : ۵۴۶۵

۵ : انجینئر : ۱۱۵۲

۶ : ڈاکٹر : تقریباً ۱۰۰۰

۷ : صناع : ۳۵۰۰

دیگر درس گاہیں

شمار	درس گاہ	تعداد	طلبا کی تعداد	ریمارک
۱	پرائمری	۶۰۹۷۲	اندازاً ۷۰ لاکھ (۴۲ لاکھ مشرقی ۲۸ لاکھ مغربی پاکستان)	
۲	مڈل	۴۴۶۲	۸ — لاکھ	
۳	ہائی سکول	۴۰۰۹	۱۶ — لاکھ	
۴	انٹر کالج	۱۶۶	۴۳ ہزار	
۵	کالج	۴۲۶	۲۶۵۵۸۹	۱۶۷ مشرقی، اور ۲۵۹ عربی میں
۶	دستکاری	۹۵	۱۸ — ہزار	
۷	تربیتِ معلمین	۱۱۴	۱۴ — ہزار	
۸	عربی مدارس	۵۰۰۹	۶ — لاکھ	
	میزان :	۷۵۳۲۳	۱۰۳۴۰۵۸۹	

خلاصہ یہ، کہ ہماری پچھتر ہزار درس گاہوں میں ایک کروڑ کے قریب طلباء زیرِ تعلیم ہیں۔

• ماحصل

تو یہ ہیں ہمارے وُہ صنّاع، صحافی۔ مُعلّم۔ شاعر۔ ادیب۔ عالم۔ اور فلسفی جو پاکستان میں ایک نئی تہذیب کو جنم دے رہے ہیں۔ اِس میں کُچھ حصّہ میری (اب تک) تیس تصانیف اور سینکڑوں مضامین کا بھی ہے۔ جو گزشتہ پچاس برس سے مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہو رہے ہیں۔

میرے ہاں صحیح معنوں میں اسلامی تہذیب وُہ ہے، جس کی عمارت جہاں گیر علم اور یزداں شکار عشق پہ اٹھائی جائے۔ علم کے بے شمار شعبے ہیں۔ مثلاً :-

- تاریخ ، جغرافیہ
- سیاسیات ، معاشیات
- شہریت ، مذہب ، اور
- طبیعات وغیرہ

طبیعات کی بیسیوں شاخیں ہیں۔ مثلاً :-

- فزکس ، کیمیا
- طِب ، نباتات
- حیوانیات ، ارضیات
- انجینیئرنگ ، معدنیات
- برقیات وغیرہ

اِن میں سے اہم ترین شعبہ مذہب کا ہے۔ جو زندگی کی حقیقت سمجھانا۔

منزل کا پتہ بتاتا، اِنسانی روابط کو اخوّتِ انسانی کی بُنیاد پہ اُستوار کرتا، اور دُنیا و عقبیٰ ہر دو میں کامیابی کے گُر بتاتا ہے۔ مذہب کے بعد طبیعات کا مقام آتا ہے۔

طبیعات کیا ہے ؟

ارض و سما کی تمام توانائیوں ، مثلاً :

- ہوا
- بجلی
- لوہا
- پانی
- تیل
- کوئلہ اور
- دیگر تمام عناصر و معادن

کو مسخّر کرکے اِنسانی خدمت پہ لگانا۔ اِس کے بغیر آج کسی قوم کا زندہ رہنا مشکل ہے۔

ہمارا یہ فرض ہے، کہ :

مذہب سے منزلِ حیات پوچھیں۔ طبیعات سے تسخیرِ کائنات کا راز سیکھیں، اور عشق سے اللہ کو اپنی طرف مائل کریں۔

علم و عشق کے اِس امتزاج سے ایک نہایت توانا، تابدار اور عظیم تہذیب جنم لے گی۔ جس میں نہ تو موجودہ تہذیبِ مغرب کی سنگ دلی، بدمستی و سیاہ کاری ہوگی، نہ اشتراکیت کی لاخدائیت اور نہ ہندؤں کی سنگ پرستی۔ چھوت چھات اور انسان دشمنی۔

اِس وقت تقریباً ڈیڑھ ہزار اخبارات و رسائل اور کئی ہزار دیگر اربابِ علم و قلم یہ مطالبہ کر رہے ہیں، کہ پاکستان میں مکمل اسلامی نظام نافذ کرو۔ اس میں کروڑوں دیہاتیوں کی خاموش آواز بھی شامل ہے۔

میرا اندازہ یہ ہے، کہ :

دیر و زُود یہ مطالبہ پُورا ہوکر رہے گا۔ شروع میں ہمارے ارباب سیاست سے لغزشیں ہوں گی۔ لیکن رفتہ رفتہ رائے عامہ کے فِشار سے ہماری سیاست ـــ مدنیّت ـــ انفرادی و اجتماعی زندگی اُس مقام پہ پہنچ جائے گی۔ جو خُدا و رسُول نے تجویز کیا ہے۔ اور یہ ہو گا، دُنیائے اِنسانیّت کے لیے ایک نیا اُفق۔ روشن ـــ رفیع ـــ نظر فریب ـــ اور علم و عشق کا حسین سنگم۔

ہمارا آرٹ

آرٹ (یا آرٹس) سے مُراد فنونِ لطیفہ ہیں۔ یعنی مُصوّری۔ نقاشی۔ موسیقی۔ تعمیرات۔ خطاطی اور شاعری۔ آج کل شاعری کا ذکر دیگر علوم یعنی تاریخ۔ ادب۔ ریاضی وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لیے مَیں بھی اسے یہاں نظر انداز کرتا ہُوں۔

ہر قوم کا آرٹ اُس کے تصوّرات۔ مُعتقدات۔ مذاق۔ کردار۔ رسم و رواج اور تہذیب کا عکاس ہوتا ہے۔ کسی مُعبد میں بارہ بارہ ہاتھوں، خوفناک جبڑوں اور لُونچھوں والے دیوتاؤں اور بڑے بڑے ناگوں کی تصاویر دیکھ کر یہی خیال آئے گا، کہ پُجاری وہم پرست ہیں۔ جو فطرت کے ہر خوفناک منظر سے ڈر کر اُس کے سامنے سجدے میں گر جاتے ہیں۔ کسی محل کی دیوار پر مصروفِ جنگ افواج اور شمشیر بدست بہادر دیکھ کر چشمِ تصوّر کے سامنے یُونان و ایران کا عہدِ شجاعت گھُومنے لگے گا۔ خوبصُورت جلد میں سنہری منقش قرآن دیکھ کر ہم اسی نتیجہ پہ پہُنچیں گے، کہ نقاش کے دل میں خدا اور رسُول کا احترام تھا۔

آرٹ کے مختلف نمُونے اپنے دور کے مذاق، کردار اور تہذیب پر تاریخ سے زیادہ روشنی ڈالتے ہیں۔ اِس کی واضح مثال یورپ کا موجُودہ آرٹ ہے پچھلے چالیس برس سے یورپ فحاشی و عُریانی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اور اب یہ عالم ہے کہ اُن کے ہاں ہزاروں عُریاں (از سرتا پا بے لباس) کلب کھُل

چکے ہیں۔ جن میں برہنہ خواتین کی تعداد پچاس فیصد سے کم نہیں —— نکاح کی قیود ٹوٹ چکی ہیں۔ اور ہر دوشیزہ اپنے ہمراہ ایک دو بچے لیے پھرتی ہے۔ یہ صورتِ حال اُن کے موجودہ آرٹ سے پوری طرح نمایاں ہے۔ اُن کے بڑے بڑے مصوّر رسائل، مثلاً :-

- لائف
- پوسٹ
- لُک
- ٹائم وغیرہ

اٹھا کر دیکھیے۔ آپ کو ہر اشورع میں کئی عریاں، نیم عریاں، حیاسوز اور بدآموز تصاویر ملیں گی۔

چونکہ اسلام فحاشی کا شدید دشمن ہے۔ اس لیے ہمارے آرٹ میں یہ رجحانات کہیں نظر نہیں آئیں گے۔

مُصوّری و نقّاشی

مُصوّری سے مُراد کسی چیز کا عکس لینا، یا کوئی تصویر بنانا ہے۔
خواہ وُہ جاندار کی ہو، جیسے :-
آدمی ، گھوڑا ، کبُوتر
یا بے جان کی، مثلاً :-
درخت ، عمارت ، پہاڑ اور دریا
نقّاشی ایک محدُودسی چیز ہے۔ اِس سے مُراد وُہ نقش ونگار ہیں۔ جو محلات ومساجد کی دیواروں۔ کتابوں۔ کپڑوں۔ برتنوں وغیرہ پر بنائے جاتے ہیں۔ اِسلام میں نقش ونگار کی تو اجازت ہے، اور یہی وجہ ہے، کہ ہمارے تمام معابد، مقابر اور مشہُور عمارات منقّش ہیں۔ لیکن مُصوّری ممنوع ہے صحاحِ ستّہ میں اِس مضمُون کی احادیث موجُود ہیں کہ فرِشتے اُن گھروں میں داخل نہیں ہوتے۔ جہاں کوئی تصویر یا کُتّا ہو۔ یا قیامت کے دِن تصویر سازوں کو حکم دیا جائے گا، کہ وُہ اپنی تصاویر میں جان ڈالیں۔
شیخ علی المتقی الہندی کی کنزالعمّال (ج — ۲ ، صنہ۲۰) میں یہ حدیث درج ہے :-
کہ قیامت کے دِن نارِ جہنّم سے ایک سَر اُبھر کر پُوچھے گا
" کہاں ہیں اللہ کے وُہ دُشمن - جو اُس پہ اِفترا باندھتے

اور اُس کی تحقیر کرتے تھے ؟"

کوئی پُوچھے گا :

" کہ اِس سے مُراد کون ہیں ؟"

تو جواب ملے گا :

" جادُوگر اور مُصوّر ۔"

برطانیہ کے ایک پروفیسر اے ۔ گلامی (A. GUILLAUMI) نے " لیگیسی آف اِسرائیل " (میراثِ یہُود) کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی۔ اُس کا ایک باب ہے ۔ " اِسلام پر یہُود کا اثر "۔ اِس میں وہ لکھتا ہے :

" کہ یہُود مُصوّری کے سخت خلاف تھے ۔ چُونکہ مدینہ میں پیغمبرِ اسلام یہُود کے ہمراہ برسوں رہے تھے اور بعض یہُود اسلام بھی لے آئے تھے۔ اِس لیے ممکن ہے کہ حضُور (صلعم) اُن سے متاثر ہُوئے ہوں ، اور مُصوّری کو حرام قرار دے دیا ہو ۔"

پروفیسر گِلامی کی یہ بات صحیح ہے یا غلط - ہم اِس پہ بحث نہیں کرتے ہم اِتنا ہی جانتے ہیں کہ اِسلام کے تصوّرِ توحید میں بُت تراشی ، مجسمہ سازی ، اور تصویر کشی کی کوئی گنجائش نہیں تھی ـــــ اِس لیے حضور (صلعم) نے اِن پر قدغن لگادی ۔

• عہدِ جاہلیّت میں مُصوّری

عہدِ جاہلیّت میں شہری آبادی بہُت کم تھی ۔ یمن سے تبُوک اور حضرموت سے عراق تک طویل و عریض صحرا حائل تھے ۔ جن میں بدوی قبائل اِدھر اُدھر

بھٹکتے پھرتے تھے۔ یہ نہایت جفاکش۔ بُردبار۔ بہادُر اور مبارزہ طلب تھے۔
انھیں متمدن شہریوں کے مشاغل یعنی فنونِ لطیفہ سے نفرت تھی۔ اور یہی
وجہ ہے کہ اُس دور میں کوئی مُصوّر یا نقاش کہیں نظر نہیں آتا۔ البتہ کچھ
سنگ تراش ملتے ہیں۔ جن کا کام مختلف قبائل کے لیے صنم تراشنا تھا۔ ان کے
بنائے ہوئے مجسمے رَف سے ہوتے تھے۔ نہ آنکھ، نہ مُنھ، نہ ناک۔ یمن کی
تازہ کھدائیوں میں پتھر اور تانبے کے کچھ ایسے ہی مجسمے برآمد ہوئے ہیں۔

پروفیسر آرنلڈ نے "پینٹنگ اِن اسلام" میں عربوں کے چند مشہور
"خداؤں" کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً :-

۱ : ذُوالخَلَصَہ

یہ سفید پتھر پر ایک کندہ تھا۔ جو مکّہ سے کوئی سو فرسنگ
جنوب۔مشرق میں نصب تھا۔

(اِسلام میں مُصوّری : صـ۵۲)

۲ : اَلفَلَس

(بنُوطے کا خُدا) ایک چٹان کا بڑھا ہُوا حِصّہ تھا۔
جسے تراش کر اِنسان نما بنا دیا گیا تھا۔

(اِسلام میں مُصوّری : صـ۵۲)

۳ : اَلجَلسَد

ایک اِنسان نما بُت۔ جس کا سر سیاہ تھا اور

جسم سفید۔ (اسلام میں مصوری ۔ صد ۵۲)

۴ : ھُبَل

کعبہ میں ایک بُت تھا۔ نیز بنو کلب کی ایک شاخ کا موروثِ اعلےٰ۔ (اسلام میں مصوری : ص ۵۲)

۵ : عُزّیٰ

بنو غطفان کا بُت : جو اس قبیلہ کے ایک سردار ظالم بن سعد نے بنوایا تھا۔ اور جسے خالد بن ولید نے حضور صلعم کے حکم سے تباہ کیا تھا۔

(منتہی الادب ۔ "عزّیٰ")

یہ بُت طُول عرضِ عرب میں پھیلے ہوئے تھے، اور ان میں سے تین سو پینسٹھ صرف بیت اللہ میں رکھے تھے۔

• تمثال و تمثیل

تمثال و تمثیل دونوں کے معنی ہیں :-

پیکر نگاشتن و صورت بستن (منتہی الادب)

یعنی :-

* موقلم سے کوئی تصویر بنانا۔ یا
* تیشہ وغیرہ سے کوئی پیکر تراشنا۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنے والد اور

قوم دونوں سے کہا تھا :

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ ۔ (اِن مُورتیوں کی حقیقت کیا ہے ۔ جن کے سامنے تم پُجاری بن کر بیٹھے ہو)

(انبیاء ۔ ۵۲)

اِس آیت میں بُتوں کے لیے تماثیل (مفرد تمثال) کا لفظ اِستعمال ہُوا ہے جِس کے لغوی معنی ہیں :

پیکر ۔ صُورت

چُونکہ مُصوّر کا کام ہی صُورت گری ہے۔ اِس لیے ہمارے فُقہاء نے تصویر سازی کو ناجائز قرار دے دیا۔ لیکن ہمارے اربابِ اقتدار نے اِس کی قطعاً پرواہ نہ کی ۔ اُنھوں نے اپنے محلات کو نہ صِرف تصویروں بلکہ شیروں، گھوڑوں اور ہرنوں کے مُجسّموں سے بھی آراستہ کیا۔ یہ کہانی مورّخین کی زبانی بہ ترتیبِ زمانی سُنیئے :-

۱ : حضرت علیؓ کے دورِ خلافت (۳۵ —— ۴۰ ھ) میں قاضی شُریح مدینہ کے قاضی تھے ۔ ڈاکٹر عبدُاللہ چغتائیُ طبقاتِ ابنِ سعد کے حوالے سے لکھتے ہیں ۔ کہ اُن کی مُہر میں دو شیروں کی تصویر تھی اور بیچ میں درخت ۔

(ڈاکٹر عبداللہ چغتائیُ :- تاریخِ اِسلامی مصوّری ۔ طبع لاہور ۱۹۳۶ء —— ص۲۱)

۲ : امیر مُعاویہ (۴۱ —— ۶۰ ھ) نے ایک ایسا دینار بنوایا تھا۔

جس کی ایک جانب کوئی تصویر تھی۔ لیکن یہ سکہ آج کسی میوزیم میں موجود نہیں۔

(مقریزی : النقود الاسلامیہ۔
طبع قسطنطنیہ – ۱۹۲۸ء – ص۵)

۳ : امام حسین کا قاتل عبیداللہ بن زیاد یزید کے زمانے (۶۰ – ۶۴ھ) میں کوفہ کا گورنر تھا۔
یاقوت لکھتا ہے :
کہ اس کے محل میں شیروں، چیتوں، کتوں اور مینڈھوں کی تصویریں تھیں۔

(یاقوت : معجم البلدان – ج ۱
ص۹۲، بحوالہ آرنلڈ : مصوری ص۱۹)

۴ : عبدالملک بن مروان (۶۵ – ۸۶ھ) کے سکوں پر ایک آدمی کی تصویر تھی۔ جس نے لمبا کرتہ پہن رکھا تھا، اور تلوار لگائی ہوئی تھی۔
معلوم ہوتا ہے، کہ عبدالملک نے بعض رومی علاقوں کو فتح کرنے کے بعد ان کے اہل کاروں اور تصویردار سکوں کو کچھ وقت کے لیے بحال رکھا تھا۔ تاکہ بیع و شرا میں خلل نہ آنے پائے۔
ایسی ہی ایک بات ہندوستان میں بھی ہوئی تھی۔ کہ شاہ ہند محمد اکبر شاہ ثانی ۱۸۰۶ء میں مر چکا تھا۔ لیکن انگریز ۱۸۳۲ء تک اُس کے نام کے سکے ڈھالتے رہے۔ تاکہ تجارت نہ رکے۔

(آرنلڈ : تاریخ اسلامی مصوری ص۱۲۴)

۵ : مسندِ خلافت سنبھالنے کے بعد جب عمر بن عبدالعزیز (۹۹ - ۱۰۱ھ) شاہی غسلخانے میں گئے۔ تو وہاں ایک تصویر دیکھی۔ جسے فوراً پتھر سے کھرچ ڈالا۔ اور فرمایا، کہ اگر مجھے یہ تصویر ساز مل جائے تو اُسے سزا دُوں۔

(ابن الجوزی : مناقب عمر بن عبدالعزیز
تدوینِ سی۔ ایچ۔ بیکر۔ ص ۴۶)

۶ : عمر بن ربیعہ دورِ اموی (۴۱ھ — ۱۳۲ھ) کا ایک شاعر تھا۔ جب یہ حج کو گیا۔ تو اس نے حرم کے قریب کسی شہزادی کا ایک خیمہ دیکھا۔ جس کے ریشمی پردوں پر سُنہری تصاویر تھیں۔

(جاحظ : کتاب محاسن۔ ج ۱، ص ۲۴۲)

۷ : بحیرۂ مُردار (فلسطین) کی کھدائیوں میں آج سے بہتر سال پہلے (۱۸۹۸ء) ایک محل برامد ہُوا تھا۔ جس کے متعلق ماہرینِ آثارِ قدیمہ کی رائے یہ ہے۔ کہ یہ کسی اُموی خلیفہ نے بنوایا تھا۔ اِس میں متعدد تصاویر تھیں۔ چھ اُن بادشاہوں کی — جنھیں مسلمانوں نے شکست دی تھی۔ یعنی :

۱ : شاہِ ایران
۲ : راجہ داہر
۳ : شاہِ اُندلس
۴ : خاقان (چینی ترکستان کا بادشاہ)
۵ : قیصر اور
۶ : نجاشی

(مؤخرالذکر پہ کبھی مسلمانوں نے چڑھائی نہیں کی۔ یہ ہمیشہ مسلمانوں کا مددگار رہا۔ اور شاید اس کی تصویر بحیثیتِ دوست محفوظ کی گئی ہو) اس محل میں کچھ موسیقاروں اور رقاصوں کی تصادیر بھی تھیں۔

(آرنلڈ : تاریخ اسلامی مصوری۔ ص۲۹)

۸ : خلیفہ ہشام اموی (۶۵ — ۱۰۵ھ) کے زمانے میں محمد بن یوسف الثقفی موصل کا گورنر تھا۔ اس نے ایک سرائے، ایک مدرسہ اور ایک محل تیار کرایا۔ اس میں اس قدر نقش و نگار تھے کہ اس کا نام ہی منقوشہ پڑ گیا۔

(آرنلڈ : تاریخ اسلامی مصوری۔ ص۳۲)

۹ : خلیفہ منصور عباسی (۱۳۶ — ۱۵۸ھ) کے محل پر ایک گھڑ سوار کا مجسمہ تھا۔ جو مرغِ باد نما کا کام دیتا تھا۔ یہ ۳۲۹ھ کے ایک طوفان میں تباہ ہو گیا۔

(آرنلڈ : تاریخ اسلامی مصوری ص۲۰)

۱۰ : عباسیہ کا مشہور شاعر ابو نواس (۱۹۵ھ) جامِ شراب کے متعلق کہتا ہے :۔

" اس کے پیندے میں کسریٰ اور پہلو میں ایسی نیل گائے کی تصویر ہے۔ جیسے شکاری، گھوڑوں پہ سوار ہو کر تیروں سے شکار کر رہے ہوں "

(ڈاکٹر چغتائی : تاریخِ مصوری ص۷)

۱۱ : امین عباسی (۱۹۳ھ — ۱۹۸ھ) نے شیروں اور شاہبازوں

کی شکل پر خوبصورت کشتیاں بنوائی تھیں۔ جن میں بیٹھ کر وہ دجلہ کی سیر کیا کرتا تھا۔

(ابن منظور مصری :۔ اخبار ابی نواس۔ طبع قاہرہ ۱۹۲۴ء ج۔۱، ص۱۱۷)

۱۲: متوکل عباسی (۲۳۲ھ — ۲۴۷ھ) کے محل "المختار" میں یونانی نقاشوں نے چند تصاویر بنائی تھیں۔ اُن میں ایک تصویر ایک ایسے گرجے کی تھی۔ جس میں چند عیسائی عبادت کر رہے تھے۔

(آرنلڈ : مصوری ص۲۹)

۱۳: متوکل پہلا خلیفہ ہے۔ جس نے سکتے پر اپنی تصویر بنوائی تھی۔

(ایضاً۔ ص۱۲۵)

۱۴: مصر کے ایک چھوٹے سے نیم آزاد خاندان بنی طولون کے دوسرے حکمران خمارویہ بن احمد بن طولون (۲۷۰—۲۸۲ھ) کے محل میں اُس کی بیویوں اور گانے والی لڑکیوں کے مجسمے تھے۔

(مقریزی : خطط۔ ج۔۱ ص۳۱۶ طبع قاہرہ، ۱۲۷۰ھ)

۱۵: مشہور مورخ مسعودی (۳۴۴ھ) اپنی تاریخی کتاب مروج الذہب میں لکھتا ہے :۔

"کہ اُس نے ۳۰۲ھ میں بمقام اصطخر (فارس) ایک ایسی کتاب دیکھی۔ جس میں بہت سے ساسانی بادشاہوں کی تصاویر تھیں۔"

(آرنلڈ : مصوری ص۸۲)

۱۶: آرنلڈ کہتا ہے :

کہ طبری (۳۱۰ھ) کی مشہور کتاب تاریخ الرُّسُل والملوک کا ایک مصوّر ایڈیشن بھی کبھی تیار ہُوا تھا۔ جس کا ایک نُسخہ اُس نے مسٹر کوَ وَرکیِنْ کے پاس دیکھا تھا۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ کوَ وَرکیِنْ کون تھا ؟

(آرنلڈ : مصوّری ص۸۴)

۱۷: خلیفہ مقتدر عبّاسی (۲۹۵ — ۳۲۰ھ) کے محل میں سونے کا ایک درخت تھا۔ جس کی اٹھارہ شاخیں تھیں۔ ہر شاخ کے ساتھ پھلوں کی شکل میں تراشے ہُوئے لعل لٹک رہے تھے۔ شاخوں پر چاندی کے بنے ہُوئے مختلف قسم کے پرندے تھے۔ جو ہوا کے چلنے پر چہچہاتے تھے۔ یہ درخت محل کے ایک تالاب میں تھا۔ اس کے کنارے پر متحرک گھوڑ۔سواروں کے مجسّمے تھے۔ جو ایک دوسرے کی طرف یُوں بڑھتے تھے جیسے حملہ کر رہے ہوں۔

(آرنلڈ۔ ص۲۰)

۱۸: اِن خلفا وسلاطین کے سِکّے مُصوّر تھے :-

۱ : مقتدر عبّاسی ۲۹۵ — ۳۲۰ھ

۲ : راضی عبّاسی ۳۲۲ — ۳۲۹ھ

۳ : ناصر عبّاسی ۶۲۲ — ۶۲۳ھ

۴ : دیار بکر کے اُرتُقیّہ ۴۹۵ — ۷۱۲ھ
(اِن کی تعداد ۲۵ تھی)

۵ : ایشیائے صغیر کے سلجوقی ۴۷۰ — ۷۰۰ھ

(ان کی تعداد ۱۸ تھی)

۶ : امرائے زنگی ۵۲۱ — ۶۴۸ ھ (تعداد-۱۹)

(آرنلڈ : ص۱۲۶)

۱۹ : جب بخارا کے سامانی امیر نصر بن احمد (۳۰۰ — ۳۳۰ھ) نے رُوذکی (۳۲۹ ھ) سے منظوم کلیلہ دِمنہ لکھوائی، تو ایک نقاش چین سے منگوا کر اُسے مُصوّر کرایا۔

(آرنلڈ : ص۲۶)

۲۰ : قُرطبہ کے اُموی خلیفہ عبدالرحمان — ثالث (۳۰۰—۳۵۰ھ) نے قُرطبہ کے قریب ایک محل اپنی بیوی زہراء کے نام پر بنوایا تھا۔ اس کے دروازے پر زہراء کا مجسمہ نصب تھا۔

آرنلڈ لکھتا ہے، کہ :

"اس محل میں شیروں، پرندوں، سانپوں، بازوں، ہاتھیوں اور پرندوں کے متعدد مجسمے تھے۔

(المقریزی : خطط - ج - ۱ ص۳۴۴)

۲۱ : ۳۳۶ھ میں روم کے ایک قیصر قسطنطین — ہفتم (۲۹۹ھ — ۳۴۶ھ) نے اُندلس کے عبدالرحمان ثالث کو ڈسکارڈی (DIOSCORIDES) کی ایک مُصوّر کتاب بھیجی تھی۔ (آرنلڈ — ص۸۰)

۲۲ : جب حلب کے حمدانی امیر سیف الدولہ (۳۳۳—۳۵۶ھ) نے ایک جنگ میں قیصر روم کو شکست دی، تو اس موقع پر

سیفُ الدّولہ کے درباری شاعر مُتنبّی (۳۵۴ھ) نے ایک قصیدہ پڑھا۔ جس میں فتح کا نقشہ یوں کھینچا :

"کہ سیفُ الدّولہ ایک ایسے خیمے میں مسند نشین ہے۔ جس کی چھت اور دیواریں شیروں اور گھوڑوں کی تصاویر سے آراستہ ہیں۔ اور سامنے قیصر دست بستہ کھڑا ہے۔"

(ایضاً ۔ صٓ۲۰)

۲۳ : مشہور جغرافیہ نگار ابنِ حَوقَل (۳۵۶ھ) نے اپنی وفات سے ایک برس پہلے اِصطخر میں ایک ایسی عمارت دیکھی تھی، جس میں تصاویر کے علاوہ مجسّمے بھی تھے۔

(ایضاً ۔ صٓ۸۲)

۲۴ : فردوسی کا شاہ نامہ سنہ۳۸۲ھ میں مکمّل ہُوا تھا۔ اِس کے مُصوّر نُسخے مختلف لائبریریوں میں موجُود ہیں۔"

(ایضاً ۔ صٓ۸۱)

۲۵ : محمُود غزنوی (۳۸۸ھ — ۴۲۱ھ) کے محل میں مشہُور رُباعی نگار ابُو سعید ابوالخیر کے والد نے خود سُلطان، اُس کے عساکر نیز گھوڑوں اور ہاتھیوں کی تصاویر بنائی تھیں۔

(عطّار : تذکرۃُ الاولیاء ۔ تدوین آر۔ اے نِکلسَن ج ۔ ۲ ، صٓ۳۲۲)

۲۶ : محمُود غزنوی نے اُس کمرے کو، جس میں فردوسی شاہ نامہ لکھا کرتا تھا۔ ایرانی بادشاہوں اور بہادروں کی تصاویر سے آراستہ کرایا ہُوا تھا۔

(آرنلڈ ۔ صٓ۸۲)

۲۷ : نظامی عروضی سمرقندی (۵۵۸ھ — زندہ) چہار مقالہ میں لکھتا ہے کہ :

جب محمود غزنوی نے جرجان کے ایک امیر علی بن مامون خوارزم شاہی[1] کو لکھا۔ کہ وہ اپنے دربار کے تمام علماء کو، جن میں بوعلی سینا۔ البیرونی۔ ابوسہل مسیحی — ابوالخیر خمار اور ابونصر عراق بھی شامل تھے، دربارِ غزنی میں بھیج دے۔ تو بوعلی سینا، محمود کی زود رنجی اور سخت گیری کے خوف سے روپوش ہو گیا۔ جب یہ خبر محمود تک پہنچی۔ تو اس نے ابونصر عراق کو، جو ایک بلند پایہ مصور بھی تھا، سینا کی تصویر بنانے کا حکم دیا۔ اور پھر اس کی چالیس کاپیاں اردگرد کی ریاستوں کو بھجوا دیں، کہ سینا جہاں بھی ملے۔ اسے گرفتار کر کے غزنی روانہ کریں۔

(نظامی عروضی : چہار مقالہ۔ طبع لاہور
تدوین فیروز حسن بٹ۔ ص ۵)

۲۸ : اخلاقِ ناصری کا مصنف ناصر خسرو لکھتا ہے کہ :-

---

۱ : خوارزم شاہ، ملک شاہ سلجوقی (۴۶۵ — ۴۸۵ھ) کا طشت دار تھا۔ نام انوشتگین۔ جسے اس نے خوارزم (خیوہ) کا عامل بنا کر خوارزم شاہ کا خطاب دے دیا تھا۔ یہ جلد خود مختار ہو گیا۔ اور اس کے خاندان کے آٹھ سلاطین نے سنہ ۴۷۰ھ سے سنہ ۶۲۸ھ تک حکومت کی۔ یہ خاندان محمود غزنوی کی وفات سے ۴۷ برس بعد ابھرا تھا۔ جرجان کے خوارزم شاہی ان سے الگ تھے۔

"مجھے ۴۴۲ھ میں مصر جانے کا اتفاق ہُوا، اور فاطمی خلیفہ مُستنصر (۴۲۷ھ ـــــ ۴۸۷ھ) سے مِلا۔ وُہ ایک ایسے تخت پہ بیٹھا ہُوا تھا۔ جو پرندوں کی تصاویر سے آراستہ تھا اور زمین سے چار گز بلند تھا۔ اس کے محل میں بھی تصاویر تھیں۔"

(ڈاکٹر چغتائی :۔ تاریخِ اسلامی مصوّری ص ۲۴)

۲۹ : اسی مُستنصر کے وزیر یازُوری نے، جو ۴۴۲ھ سے ۴۴۹ھ تک وزیر رہا۔ ایک قیمتی خیمہ بنوایا۔ جس پر ایک سو پچاس کاریگروں نے نو سال تک کام کیا تھا۔ اس پر تیس ہزار دینار صَرف ہوئے تھے، اور یہ تصاویر سے پُر تھا۔

(مقریزی :۔ خِطَط ۔ ج۔۱ ص ۴۱۹ و آرنلڈ ص ۲۱)

۳۰ : یازُوری کے زمانے میں دو مُصوّر بہت مشہور تھے :۔

۱ : ابن عزیز عراقی ۔ اور

۲ : ابنِ قصیر

یازُوری نے تصویر سازی میں دونوں کا مقابلہ کرایا۔ اور دونوں کو بھاری انعامات دیئے۔ دونوں نے دیوار پر ایک ایک عورت کی تصویر بنائی۔ فرق یہ کہ ابنِ عزیز عراقی کی عورت دیوار سے نکلتی اور دُوسرے کی دیوار میں گھُستی نظر آتی تھی۔

(خِطَط : ج۔ ۲، ص ۳۱۸)

۳۱ : اشبیلیہ کے بادشاہ المُعتمد عبّادی (۴۶۱ھ ـ ۴۸۴ھ)

کا محل تصاویر سے آراستہ تھا۔

(مقّری :۔ نفح الطیب ۔

ج ۔ ۱ ، ص۳۲۱)

۳۲ : ابو القاسم حریری (۵۱۵ھ) کی مقامات کا ایک مصوّر نسخہ برطانوی میوزیم میں موجود ہے۔

(آرنلڈ :۔ ص۸)

۳۳ : عامر فاطمی (۴۹۳ ـــ ۵۲۳ھ) نے محل کے ایک کمرے میں معاصر شعراء کی تصاویر بنوائی تھیں۔ اور ساتھ ہی اُن کا کلام بھی لکھوایا تھا۔ (مقّری : ج ۔ ۱ ، ص۱۷۱)

۳۴ : عراق کے سلطان طغرل بن ارسلان سلجوقی (۵۷۳ھ ـــ ۵۹۰ھ) نے زین الدین نوش نویس سے بعض شعراء کا کلام لکھوا کر، جمال نقاش اصفہانی سے اُن کی تصاویر بھی بنوائی تھیں۔

(راوندی ـــ راحۃ الصّدور ۔

طبع لنڈن ۔ ۱۹۲۱ء ص۵۷)

۳۵ : نظامی گنجوی (۵۹۴ھ) کی پانچ منظوم کہانیاں (خمسہ) :۔

۱ : ہفت پیکر

۲ : شیریں خسرو

۳ : مخزن الاسرار

۴ : لیلےٰ مجنوں ، اور

۵ : سکندر نامہ

ایران میں بہت مقبول تھیں۔ اِن میں سے بعض کے مصوّر

نسخے بھی تیار ہوئے۔ (آرنلڈ - صـ۸۳)

۳۶ : جب ایشیائے صغیر کے سلجوقی امیر علاءُ الدّین کیقباد (۶۱۵-۶۳۴ھ) نے قونیہ کی فصیل بنوائی۔ تو اُس نے سب سے بڑے دروازے پر دائیں - بائیں دو پردار گھوڑوں کے مجسّمے بنوائے۔ جو بُراق سے ملتے جُلتے تھے۔

(آرنلڈ : صـ۲۴)

۳۷ : خلافتِ عبّاسیہ کے اواخر میں بدرُ الدّین لُولُو (۶۲۹-۶۵۷ھ) مُوصل کا امیر تھا۔ اس کے محل میں اِنسانوں اور حیوانوں کی ایک سو تصاویر تھیں۔ (آرنلڈ : صـ۲۴)

۳۸ : دیوان شمسُ الدّین محمّد جُوَینی (۶۸۲ھ) ہلاکو خان (۶۶۳ھ) اباقا (۶۷۰ھ) اور احمد (۶۸۳ھ) تینوں کا وزیر اعظم رہا ہے یہ بڑا ہی علم دوست تھا۔ اِس کے فرزند شرفُ الدّین ہارُون کا ایک محل بغداد میں تھا۔ اس کا غسلخانہ دس کمروں پر مشتمل تھا۔ جن میں پہاڑی چشموں کا پانی چاندی کے نلوں کے ذریعے پہنچایا گیا تھا۔ ہر نل کے مُنہ پر کسی پرندے کا مجسّمہ تھا۔ جب اُس سے پانی باہر نکلتا۔ تو آواز پیدا ہوتی۔ بُلبُل کے مجسّمے سے بُلبُل کی۔ اور کوئل سے کوئل کی۔

(مَقّری : نفح الطیب - ج - ۲ صـ۲۳۵)

۳۹ : شیخ سعدی شیرازیؒ (۶۹۱ھ) کی گلستان و بوستان کے متعدد مُصوّر نسخے یورپ و ایشیا کی لائبریریوں میں موجُود ہیں۔ (آرنلڈ - صـ۸۳)

۴۰ : رشیدُ الدّین فضل اللہ (۷۱۸ھ) دو ایل خانی سلاطین یعنی غازان (۶۹۴ھ — ۷۰۳ھ) اور الجائتو (۷۰۳ — ۷۱۶ھ) کا وزیر رہا ہے۔ یہ عالم بھی تھا۔ کئی کتابوں کا مُصنّف۔ اِن میں مشہور ترین جامعۃُ التواریخ ہے۔ انبیاء، خُلفاء و اُمراء کی تاریخ — اِس میں مُغلوں کے حالات اور سقوطِ بغداد کی رُوئداد بھی ہے۔ اِس نے تبریز کے قریب ایک یونیورسٹی بابِ رشیدی کے نام سے بنوائی تھی۔ جس میں سات ہزار طلباء قیام کر سکتے تھے۔ اِس میں ساٹھ ہزار کُتب کی ایک لائبریری، تیس ہزار کمرے، ۲۴ کارواں سرائے اور پندرہ دُکانیں تھیں۔ اِس میں ایک شعبہ مُصوّرین کا بھی تھا۔ جس نے رشیدُ الدّین کی کتاب جامعۃُ التواریخ کو مُصوّر کیا تھا۔ اِس یونیورسٹی کو کسی تاتاری سُلطان نے ۷۳۶ھ میں تباہ کر دیا۔

(آرنلڈ : ص۲۷)

۴۱ : تیمور (۷۷۱ — ۸۰۷ھ) نے شمالِ سرقند میں ایک محل بنوایا تھا۔ جو تصاویر سے پُر تھا۔

(شرف الدین علی یزدی : ظفر نامہ۔
طبع کلکتہ۔ ۱۸۸۷ء۔ ج۔ ۱ ص۸۰۲)

۴۲ : مُغلوں کی ایک شاخ آلِ جلائر کہلاتی ہے۔ اِس کے چھ اُمراء عراق پر ۷۸ برس حکمران رہے۔

ان کے نام یہ ہیں :

۱ : شیخ حسن ۲ : اُویس

۳ : حُسین ۴ : بایزید
۵ : سُلطان احمد ۶ : شاہ ولا

اِن میں سے سُلطان احمد (۷۸۴ — ۸۱۳ھ) مُصوّر بھی تھا۔ اور زرکار بھی۔ یعنی کتابوں پہ سنہری نقش و نگار کیا کرتا تھا۔
(دولت شاہ سمرقندی۔ تذکرۃ الشعراء
تدوین ای۔جی۔براؤن۔ ص۳۰۴)

۴۳ : مُقریزی (۸۴۵ھ) اپنی تصنیف خِطَط (ج ۲ ص۳۱۸) میں لکھتا ہے، کہ :-
"اُس نے مُصوّری پر ایک کتاب لکھی تھی۔"

۴۴ : تیمور کے بیٹے شاہ رُخ (۸۰۷ھ — ۸۵۰ھ) نے ہرات میں ایک منقّش محل بنوایا تھا۔
(آرنلڈ : ص۲۷)

۴۵ : تُرکی کے ایک فرماں روا سُلطان محمد دوم عثمانی (۸۵۵ — ۸۸۶ھ) نے وَینِیس کے ایک مُصوّر جَنْیٹائل بَلینی کو اپنے ہاں ملازم رکھا ہُوا تھا۔ (ایضاً۔ ص۳۸)

۴۶ : آذربائیجان پر ۸۰۷ھ سے ۹۰۸ھ تک ایک ایسا سِلسلہ حکمران رہا۔ جو آق قویون لو کے نام سے مشہور ہے۔ اِن میں سے ایک بایسنقرؔ (۸۹۶ھ — ۸۹۷ھ) کے متعلق بابرؔ لکھتا ہے، کہ :
"یہ اعلےٰ درجہ کا خطّاط بھی تھا، اور مُصوّر بھی۔"
(بابرؔ نامہ : ص۱۱۱، بحوالۂ آرنلڈ : ص۳۳)

۴۷ : اُندلُس کا شہرۂ آفاق محل اَلحمراء بنو نصر (۶۲۹ — ۸۹۷ھ) نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کی دیواروں پر متعدد تصاویر تھیں، اور اس میں سنگِ مرمر کے بارہ شیر بھی تھے۔

(آرنلڈ : ص۲۳)

۴۸ : دولت شاہ سمرقندی کا بیان ہے کہ :

"بابرُ (۹۳۷ھ) کا خالہ زاد بھائی مرزا حیدر دُوغلات (۹۵۷ھ)۔ (تاریخِ رشیدی کا مُصنِّف) شاعر اور مُصوّر تھا۔"

(دولت شاہ — تذکرۃُ الشُعراء —

تدوین — ای — جی — براؤن — ص۳۰۴)

۴۹ : سلاطینِ عُثمانیۂ تُرکیہ میں سے سُلیمان (۹۲۶ — ۹۷۴ھ) اور محمد چہارم (۱۰۵۸ھ — ۱۰۹۹ھ) دونوں مُصوّر تھے۔ اور مُصوّر نواز بھی۔ (آرنلڈ : ص۳۸)

۵۰ : عبدالرشید جو ۹۳۸ھ سے ۹۷۶ھ تک کاشغر کا خان رہا۔ اچھا خاصہ فنکار تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے کاغذ کاٹ کر ایک درخت بنایا۔ اُس کے بر حصّے (تنے۔ پتّے۔ پھل۔ پھول) کو

لہ : اُس دور کی مشہور تاریخیں دو ہیں :۔

۱ :۔ بابرُ کی تُزک — جو ۱۵۲۹ء تک کے واقعات پہ مشتمل ہے۔

۲ :۔ تاریخِ رشیدی — جس میں وسطی ایشیا کے مُغلوں کی تاریخ کے علاوہ واقعات ۱۵۴۱ء تک چلتے ہیں۔

ایسا قدرتی رنگ دیا۔ کہ بڑے بڑے نقاش حیرت زدہ ہو گئے۔

(ایضاً۔ ص۳۴)

۵۱ : طہماسپ صفوی (۹۲۹ ـــ ۹۸۴ھ) بھی مصوّر تھا۔ اُس نے یہ فن اپنے درباری مصوّر سلطان محمد سے سیکھا تھا۔

(سکندر منشی ـــ تاریخِ عالم آرائے عباسی۔
بحوالۂ آرنلڈ : ص۳۳)

۵۲ : کمال الدّین بہزاد ایران کا وُہ عظیم مصوّر ہے۔ جسے سعدی و حافظ کی طرح جہانگیر شہرت حاصل ہُوئی۔ یہ پہلے سُلطان[1] حسین مرزا (ہرات ۸۷۰ ـــ ۹۱۰ھ) کے دربار میں تھا ـــ بعد ازاں اسماعیل اوّل ـــ صفوی (۹۰۷ ـــ ۹۳۰ھ) نے اسے ۹۲۷ھ میں اپنی لائبریری کا ناظم مقرر کر دیا۔ یہ ایران کا پہلا مصوّر ہے جو اپنی تخلیقات پہ اپنا نام لکھا کرتا تھا۔

(آرنلڈ : ص۷۵)

---

[1] : ایک تیموری شہزادہ جس کے والد کا نام منصور، دادے کا بائیقرا، پڑدادے کا عمر شیخ بن تیمور تھا۔ یہ پہلے اُلغ بیگ (۱۴۳۷ء ـــ ۱۴۳۹ء) کا درباری رہا۔ بعد ازاں خاندانی رقابتوں میں کُود پڑا۔ اور ۱۴۵۷ء میں جُرجان و ماژندران پر قابض ہو گیا۔ جب ۱۴۶۷ء میں ہرات کا تیموری سُلطان ابوسعید فوت ہو گیا۔ تو اُس نے ہرات پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور اسی کو پایۂ تخت بنا لیا۔ میر شیر علی نوائی (۱۵۰۱ء) اسی کا وزیر تھا۔ اس کا زمانۂ حکومت ۱۴۶۷ء ـــ ۱۵۰۶ء = ۸۷۰ ـــ ۹۱۰ھ ہے۔

۵۳ : جلال الدین اکبر (۹۶۳ — ۱۰۱۴ھ) کے ایک خطاط نے انوارِ سُہیلی کا ایک نسخہ بڑی محنت سے لکھا تھا۔ اس کے درباری نقّاشوں نے اُسے چھ برس میں مصوّر کیا۔

(آرنلڈ : ص۷۳)

۵۴ : بَرنیئر (BURNIER) اپنی کتاب "ٹریولز اِن دی مُغل امپائر" (ص۲۵۴) میں لکھتا ہے کہ :

"۱۶۶۳ء = ۱۰۷۲ھ میں مجھے دہلی جانے کا اتفاق ہُوا۔ وہاں ایک ایسی تصویر دیکھی۔ جس پر نقّاشوں نے سات سال لگائے تھے۔"

۵۵ : قاچاری خاندان (ایران) کا دُوسرا بادشاہ فتح علی شاہ (۱۲۱۱ھ — ۱۲۵۰ھ = ۱۷۹۷ء — ۱۸۳۴ء) شاعر بھی تھا۔ اس کے دیوان کو مرزا بابا نے سترہ سال میں مصوّر کیا تھا۔

(سر ولیم آسلے : ٹریولز اِن ویریئس کنٹریز آف دی ایسٹ۔ طبع لنڈن — ۱۸۱۹ء — ۲۲ — ج۔ ۳۔ ص۳۷۲)

۵۶ : قونیہ کے عجائب گھر میں آج بھی ہاتھیوں اور شیروں کے ایسے مجسّمے موجود ہیں۔ جو سلجوقی دور میں تیار ہُوئے تھے۔

(آرنلڈ : ص۲۴)

۵۷ : فاطمی خُلفا کا پایۂ تخت فندیہ تھا۔ یہ شہر تباہ ہو چکا ہے اور اب اُس کی کُھدائی ہو رہی ہے۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے وہاں سے ایک شہزادے کا مرمریں مجسمہ نکلا۔ جس کے ہاتھ میں جامِ شراب ہے اور ایک مُغنیّہ سے بنسی کی دُھن سُن رہا ہے۔ (ایضاً۔ ص۲۲)

یوں تو اسلامی مصوری کے نمونے دنیا کے ہر عجائب گھر، اور ہر لائبریری میں موجود ہیں۔ لیکن پیرس اور لینن گراڈ میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے ایران، ہند اور پاکستان کے عجائب گھر بھی ان سے لبریز ہیں۔ اس موضوع پر وی۔ سی۔ سکاٹ نے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ عنوان ہے:

"دی ایسٹرن لائبریریز"

ابوالفضل، آئینِ اکبری (ج-۱، ص۱۰۱) میں لکھتا ہے، کہ:-

"جن نقاشوں نے اکبر کی لائبریری کے لیے مصور نسخے تیار کیے تھے۔ اُن کی تعداد ۱۴۵ تھی۔"

(نیز آرنلڈ: ص۷۵)

• تصاویر کی تباہی

کوئی نہیں جانتا، کہ پچھلے چودہ سو سال میں ہمارے نقاشوں نے کتنی تصاویر بنائیں۔ اور اُن میں سے اب کتنی محفوظ ہیں۔ یہ تبھی ممکن تھا، کہ ہر قرن میں دو تین مرتبہ تمام مصورین کی تخلیقات ضبطِ تحریر میں لائی جاتیں۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ جب عیسائیوں نے قرطبہ، غرناطہ، طلیطلہ، میڈرڈ، مراکش، ٹیونس، طرابلس، قاہرہ اور فلسطین کی سینکڑوں لائبریریوں کو آگ لگائی۔ جب تاتاریوں نے جرجان، خوارزم، بخارا، نیشاپور، کوفہ، بصرہ اور بغداد جیسے علمی مراکز کو تباہ کیا تو کتنی تصویریں تلف ہوئیں؟

تصاویر پڑے پڑے بھی پھٹ جاتی ہیں۔ دیمک اور ٹِڈی بھی انھیں چاٹ جاتی ہے۔ اس لیے:

نقصان کا صحیح اندازہ لگانا آسان نہیں!!

● اِسلامی تصاویر کا اِمتیاز

اِسلامی تصاویر کا اِمتیازی پہلو یہ ہے کہ وُہ عموماً غیر جذباتی ہوتی ہیں ، یعنی اُن کے چہروں پر غم ، مسرّت ، مایُوسی ، محبت ، فکر وغیرہ کے آثار قطعاً نہیں ہوتے اِس کے سبب دو ہیں :-

اوّل : مسلمان اللہ کی ہر تقدیر کو عظیم حکمت کا حامل سمجھتا ہے اِس لیے وُہ ناکامیوں پر مضطرب نہیں ہوتا ، اور نہ کامرانیوں میں مسرور - یہ اِعتدال و توازن اُس کی تصاویر میں بھی پایا جاتا ہے۔

دوم : ہماری بیشتر تصاویر درباری نقاشوں کی تیار کردہ ہیں۔ گزشتہ زمانے کے شاہی درباروں کا ماحول بڑا بھیانک ہوتا تھا۔ کیا مجال کہ کوئی درباری اُونچی آواز میں بات کرے ، یا آنکھ اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھے ۔ یہی فروتنی ، دلگیری و مسکینی اُن کی تصاویر میں بھی پائی جاتی ہے۔

مُصوّرین کے حالات

گو مُسلم مورخین نے وسیع پیمانے پر اپنے مشاہیر کے سوانح لکھے۔
مثلاً :

- ابنِ اثیر نے ساڑھے سات ہزار
- ابنِ الحجر العسقلانی نے آٹھ ہزار نو سو چھیاسی ۔ اور
- ابن الفوطی نے تقریباً نو ہزار رجال کے حالات قلمبند کیے۔

سیوطی - ابن الجوزی اور ابنِ طُولون نے ہر شعبۂ علم (نحو، منطق، فقہ، شعر، ادب، حدیث، تفسیر وغیرہ) پر الگ الگ طبقات و معاجم لکھیں۔ لیکن مُصوّرین کو کسی نے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ ہاں مقریزی (۱۴۴۲ء) نے مُصوّرین پہ ایک کتاب لکھی تھی۔ لیکن وُہ گُم ہو چکی ہے۔

ہرات کے ایک مُورّخ خوند میر (۱۴۷۵ء - ۱۵۳۵ء) نے جب اپنے دادا میر خوند کی روضۃ الصّفا کا ملخص خلاصۃ الاخبار کے عنوان سے تیار کیا، تو آخر میں چار مُصوّرین کے حالات بھی درج کر دیے۔ بعض کا ذکر منقش شاہی محلات اور مُصوّر کتب کے ضمن میں ملتا ہے۔ اور بعض کا ایسے شاہوں کے حالات میں، جو مُصوّری کے سرپرست تھے۔ مثلاً :-

- طہماسپ
- بایسنقر
- سُلیمان عثمانی وغیرہ

اسکندر منشی (۱۵۶۰ — ۱۶۲۸ء) سلاطینِ صفویہ کا مورخ تھا۔
اس نے شاہ عباس صفوی (۵۸۷ — ۱۶۲۹ء) کی فرمائش پر تاریخِ عالم
آرائے عباسی لکھی تھی۔ اس میں بھی چند مورخین کا ذکر آیا ہے۔ ان تمام مآخذ سے
جو حالات مل سکے ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں :-

۱ : حاجی محمد نقاش مصور بھی تھا۔ اور صنعت کار بھی۔ اس نے
میر علی شیر نوائی (۱۵۰۱ء) وزیرِ سلطان حسین مرزا (ہرات) کی
لائبریری کے لیے ایک ایسا کلاک تیار کیا۔ جس پر ایک آدمی عصا در دست کھڑا تھا
اس کے سامنے ایک چھوٹا سا ڈھول رکھا تھا۔ طلوعِ آفتاب سے ایک ساعت
بعد وہ اس ڈھول پر ایک ضرب لگاتا۔ دو ساعت بعد دو اور بارہ ساعت بعد بارہ۔
اس کی وفات سنہ ۱۵۱۰ء کے قریب ہوئی۔

(خوندمیر : حبیب السیر۔ طبع بمبئی ۱۸۵۷ء
ج — ۳ — ص ۳۴۲)

۲ : میرک نقاش (۱۵۰۷ء) نقاشی، زرکاری اور خطاطی میں
بے نظیر تھا۔ ہرات کی بیشتر تاریخی عمارات کے کتبے اسی نے تیار کیے تھے۔

(ایضاً : ص ۳۴۲)

۳ : مولانا قاسم علی ایک صاحبِ علم نقاش و زرکار تھا۔ یہ تقویٰ،
فیاضی اور راست بازی میں بھی بڑی شہرت رکھتا تھا۔ یہ پہلے سلطان حسین
مرزا کی لائبریری میں تھا، اور پھر سیستان چلا گیا۔

(ایضاً : ص ۳۴۵)

۴ : طہماسپ صفوی (۱۵۲۴ — ۱۵۷۶ء) ماہرِ سلطان محمد
نقاش کا شاگرد تھا۔ جو اُس کے اپنی ہی لائبریری میں کام کرتا تھا۔ طہماسپ کو

بچپن ہی سے نقاشی کا شوق تھا۔ چنانچہ اس نے اس میں کمال حاصل کرنے
کے لیے بڑی محنت کی۔

(آرنلڈ : ص۱۴۱)

۵ : مولانا مظفر علی، بہزاد کا شاگرد تھا۔ چہل ستون —
(صفویوں کا ایک شاہی محل) کو اسی نے نقش ونگار سے آراستہ کیا تھا۔
طہماسپ کی وفات کے بعد یہ جلد ہی چل بسا۔

(ایضاً : ص۱۴۱)

۶ : میر زین العابدین، ماسٹر سلطان محمد (طہماسپ کا
اُستاد و نقاش) کا نواسہ تھا۔ جب اسماعیل ثانی (۱۵۷۶ — ۱۵۷۸ء)
نے دربارِ سلطانی کی لائبریری (جو پہلے بند ہوگئی تھی) دوبارہ قائم کی۔
تو زین العابدین کو وہاں لگا دیا۔

(ایضاً : ص۱۴۱)

۷ : صادق بیگ ترکوں کی ایک شاخ افشار سے تعلق رکھتا تھا۔
اسے بچپن ہی سے نقاشی کا شوق تھا۔ اس فن میں قدرے مہارت
حاصل کرنے کے بعد مولانا مظفر علی نقاش (شمارہ ۵) کی شاگردی اختیار
کرلی۔ اور بے نظیر نقاش بن گیا۔ لیکن زمانے نے قدر نہ کی، اور یہ
درویش بن کر سیاحت پہ نکل گیا۔ جب ہمدان میں پہنچا۔ تو وہاں کے
گورنر امیر خاں موشلو نے اُسے اپنے دربار میں رکھ لیا۔ پھر یہ استر آباد
کی طرف چلا گیا۔ اور بالآخر صفویوں کے پایۂ تخت تبریز میں واپس آگیا۔
اسے شاہ عباس اول (۱۵۸۷ — ۱۶۲۹ء) نے ناظم دارالکتب مقرر
کر دیا۔ لیکن اس کے مزاج میں اتنی ترشی تھی۔ کہ اس کے تعلقات سب سے
خراب ہوگئے۔ بالآخر بادشاہ نے اسے معزول کر دیا۔ لیکن

اُس کی تنخواہ تادمِ مرگ جاری رہی ـ

(ایضاً : ص ۱۴۲)

۸ : مولانا عبد الجبّار بن حاجی علی مُنشی اَسترآبادی ـ مُصوّر بھی تھا اور خطّاط بھی ۔ اس کے مزاج میں اس قدر لطافت ، ظرافت ، اور سلیقہ مندی تھی ۔ کہ ہر امیر اُسے ہفتوں اور مہینوں اپنے پاس رکھتا تھا ۔ اور اسے اپنے فن میں کمال پیدا کرنے کا وقت نہیں ملتا تھا ۔ یہ کچھ عرصہ کے لیے گیلان کے صفوی گورنر خان احمد کے ہاں بھی رہا پھر قزوین چلا گیا ۔ اور وہاں کچھ عرصے تک شاگردوں کی ایک جماعت کو نقاشی سکھلاتا رہا ۔

(ایضاً : ص ۱۴۲)

۹ : خواجہ ناصر ، مولانا عبد الجبّار کا فرزند تھا ۔ اور اُن سے بہتر نقّاش ۔ یہ اسماعیل اوّل (۱۵۰۲ء ــ ۱۵۲۴ء) کے والد سُلطان حیدر کے ایک افسر حسین بیگ یوز باشی کا مصاحب رہا ۔

(ایضاً : ص ۱۴۳)

۱۰ : سیاوش بیگ شاہ طہماسپ کا غلام تھا ۔ جامہ کار بننے والا ۔ اس کے ذوقِ نقّاشی کو دیکھ کر شاہ نے اسے ماسٹر حسن علی نقّاش کی شاگردی میں دے دیا ۔ جب اسماعیل ــ دوم (۱۵۷۶ء ــ ۱۵۷۸ء) کا زمانہ آیا ۔ تو اسے شاہی لائبریری میں لگا دیا ۔

(ایضاً : ص ۱۴۳)

۱۱ : مولانا شیخ محمد شیرازی بڑا وجیہہ اور خوش مزاج انسان تھا ۔ باکمال خطّاط و نقّاش ـــ پہلے یہ اسماعیل اوّل کے چھوٹے بھائی ابراہیم مرزا کے ہاں مُلازم ہُوا ۔ اسماعیل ثانی نے اسے

لائبریری میں لگا دیا۔ پھر عباس — اول (۱۵۸۷ — ۱۶۲۹ء)
کے ہاں ملازم ہو گیا۔ اور اسی کی ملازمت میں وفات پائی۔
(ایضاً : ص۱۴۳)

۱۲ : مولانا علی اصغر کاشانی نقاشی میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔
یہ پہلے ابراہیم مرزا کی ملازمت میں تھا۔ پھر اسماعیل ثانی نے اسے لائبریری
میں لگا دیا۔ (ایضاً : ص۱۴۳)

۱۳ : آقا رضا، علی اصغر کاشانی کا فرزند تھا۔ نقاشی و تصویر سازی میں
بڑی شہرت کا مالک — لیکن اس میں دو عیب بھی تھے :

اوّل : ازحد بدمزاج تھا۔

دوم : پہلوانی کا بہت شوقین تھا۔ اور عموماً نومشق
اور غیر مہذب پہلوانوں کی صحبت میں رہتا تھا۔

نتیجہ یہ کہ سلاطین و اُمراء اس سے کنارہ کرتے تھے۔
(ایضاً : ص۱۴۴)

۱۴ : مرزا احمد اصفہانی، خواجہ عبدالعزیز کاکا کا شاگرد۔ محلات کی
آرائش میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ اسماعیل — ثانی نے اسے لائبریری میں لگا دیا۔
(ایضاً : ص۱۴۴)

۱۵ : مولانا حسن بغدادی کی شہرت زرکاری کی وجہ سے تھی۔ اسے بھی
اسماعیل — ثانی نے لائبریری میں بھیج دیا تھا۔ (ایضاً)

۱۶ : اُسی عہد کا ایک اور زرکار مولانا عبداللہ شیرازی تھا۔ اسے بھی
اسماعیل — دوم نے عملۂ دارالکتب میں شامل کر دیا تھا۔ (ایضاً : ص۱۴۴)

مجھے اتنے ہی مصوّرین کے حالات مل سکے ہیں۔ پہلے تین مصوّرین کا تعلق

ہرات سے تھا۔ اور باقی کا عبّاس صفوی کے دربار سے۔

۱۹۱۲ء میں یورپ کی ایک کتابی نمائش میں شاہنامۂ فردوسی کا ایک مصوّر نسخہ بھی رکھا گیا تھا۔ جسے زین العابدین، صادقی بیگ، سیاؤش بیگ، اور علی اصغر نے مکمّل کیا تھا۔ نقّاشوں کے اِس گروہ کے کارنامے اور بھی ہوں گے۔ لیکن مورّخ انھیں ضبط نہ کر سکا۔ اِس بے نیازی کا نتیجہ یہ کہ جن مصوّرین کے نام ہم تک پہنچے ہیں۔ ہمیں اُن کی تخلیقات کا علم نہیں۔ اور ایسی تصاویر بھی بے شمار ہیں۔ جن سے دُنیا کے عجائب خانے اور کُتب خانے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن اُن کے خالق معلوم نہیں۔ اِلّا مَاشاءَ اللّٰہُ۔

موسیقی

ہر انسان کے گلے میں کچھ ایسے اعصاب ہیں، جن کے تناؤ اور کھچاؤ سے ترنم پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی کا نام موسیقی ہے۔ بولنے اور ہنسنے کی طرح گانا بھی انسانی خاصہ ہے۔ آدمی تنہا ہو، سستا رہا ہو، یا سفر میں ہو، تو وہ بوریت کو کم کرنے کے لیے گنگناتا ہے۔ نوجوان لڑکیاں شادیوں، منگنیوں اور عیدوں پر، دیہاتی گھبرو میلوں پر، قوال عرسوں پر ناچتے اور گاتے ہیں۔

ذرا کان لگا کر سنیے، رباب کائنات کے ہر تار سے موسیقی کے جھرنے رواں ہیں۔ یہ چشموں کی روانی، گھٹاؤں کی گرج، نسیم بہار کی سنسناہٹ، کوئل کی کوکو، مور کی جھنکار، پپیہے کی پکار اور چکور کی صدا فطرت کی موسیقی ہے۔ کتنا غلط ہے یہ خیال، کہ موسیقی کا موجد فیثا غورث (۵۸۲ ق م) تھا۔ کیا ساون کی پھوہار، اور برگہائے چنار کی سرسراہٹ موسیقی نہیں؟ کیا فطرت کے یہ ساز فیثا غورث کی ایجاد تھے؟

• موسیقی کی شرعی حیثیت

سوال یہ ہے، کہ جب فطرت کے ہر ذرے سے امواج موسیقی بلند ہو رہی ہیں؛ تو علمائے اسلام نے اسے حرام کیوں قرار دیا؟ اس سلسلے میں گزارش ہے کہ موسیقی کی کئی قسمیں ہیں :-

اوّل : وُہ جو تھیٹروں ، سینماؤں اور طوائف خانوں میں ملتی ہے۔
جس کا مقصد ہے :-

❖ جذباتِ سفلی کو بھڑکانا ، اور
❖ شباب کو دعوتِ شراب وگناہ دینا۔

دوم : قوّالی ، یعنی خدا و رسُول کی تعریف۔
سوم : کسی فلسفیانہ غزل ، پاکیزہ نظم یا مرثیہ کو خوش الحانی سے پڑھنا۔
چہارم : میٹھی آواز سے تلاوت۔

قسمِ اوّل ہر طبقے کے ہاں حرام ہے ، اور قسمِ چہارم ہر مکتبِ خیال کے ہاں مستحسن ۔ باقی دو قسموں کے متعلق عُلما میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ محتاط طبقہ اِس خیال سے اِس کی اجازت نہیں دیتا ، کہ مُبادا اِس سے رُوحِ جفا طلبی مرجائے۔ اور آدمی سہل انگار بن جائے ، یا اُس کا دِل رُوحانی لذّت کے سرچشموں یعنی عبادت وتلاوت سے اُچاٹ ہو جائے ۔ یا وُہ موسیقی کی جائز و ناجائز حدُود کو ملا دے ۔ لیکن ایک اور طبقہ اِن کی اجازت دیتا ہے۔

سیّد محمّد جعفر شاہ ندوی نے اِس موضوع پر "اسلام اور موسیقی" کے عنوان سے ایک مُفصّل کتاب لکھی ہے ، اور اُن تمام صحابۂ کرام ، تابعین ، اولیاء اور عُلماء کی فہرست دی ہے ۔ جو موسیقی کو جائز یا ناجائز سمجھتے تھے۔

جائز سمجھنے والوں میں آپ نے حضرت عمرؓ ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ، حضرت ابو عُبیدہؓ بن جرّاح ، عبداللہؒ بن مُبارک ، قاضی ابو یُوسف ، ابُوطالب مکّی مولانا رُومی ، نجمُ الدّین کُبرٰے ، حضرت بختیار کاکیؒ ، اور بیشتر عُلمائے چشت

کا نام لیا ہے۔

• عرب اور موسیقی

عربوں کے ہاں موسیقی کی قدر و قیمت کیا تھی ؛ اِس کا اندازہ اُلفُ لیلہ ، ابنِ عبدربّہ (۹۴۰ء) کی العِقدُ الفرید اور ابُوالفرج اِصفہانی (۹۶۷ء) کی کتاب الاغانی سے ہو سکتا ہے۔

یہ کتابیں بتاتی ہیں ، کہ عرب ہر موقعہ (شادی ، غم ، جنگ ، شکار ، کام ، کھیل) پر موسیقی سے کام لیتے تھے۔ اُن کے دِیوان اِس قسم کے گیتوں سے لبریز ہیں۔ اُن کے سازوں کی کثرت سے بھی پتہ چلتا ہے ، کہ وُہ موسیقی کے رسیا تھے۔

چند سازوں کے نام یہ ہیں :-

❖ عُود	❖ شاہ رُود
❖ بُوق	❖ نفیر
❖ دَف	❖ طَبل
❖ اُرغنون	❖ رباب
❖ نُزہَہ	❖ مُغنی
❖ زَمر	❖ شَبّابہ
❖ جُواق	❖ صَفّارہ

اور ❖ زُلامی

کہتے ہیں کہ :-

❖ رباب کا مُوجِد (یا مُصلح) فارابی (۹۵۰ء)

- زُلامی کا مُوجد لَزّنام (۸۰۰ء کے بعد)
- عُود کا زُلزَال (۷۹۱ء)
- بُوق کا (غالباً مُصلح) خلیفہ الحکم — دوم (۹۷۶ء)
- نُزْھَہ کا صفیٌ الدّین عبدالمومن (۱۲۹۴ء) اور
- نَے کی ایک قسم کا زریاب (۸۰۰ء کے بعد) تھا۔

چونکہ جزیرہ نمائے عرب کی سرحدیں مشرق میں ایران اور شمال میں رُوم سے ملتی تھیں۔ اِس لیے اس کی موسیقی پر بھی ایران و روم کا اثر پڑا۔ حیرہ کی ریاست ایران سے مُتاثر تھی۔ اور ریاستِ غسان رُوم سے۔

ابنِ مسجاح (۱۴ — ۷۰۵ء) پہلا اہم عرب موسیقار ہے۔ جس نے ایرانی ورُومی موسیقی کو ملانا چاہا۔

ڈیڑھ سو برس بعد اِسحاق مَوصَلی (۸۵۰ء) نے عربی موسیقی کو فیثا غوری اصُولوں کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ اُس کے بعد اِس پر یُونانی، اور دیگر اثرات پڑنے لگے۔ اور رفتہ رفتہ اِس میں اِس قدر تبدیلی ہُوئی، کہ اس کا رابطہ قدیم بدوی موسیقی سے منقطع ہو گیا۔

مسلمانوں نے موسیقی کو فروغ دینے کے لیے تین بڑے بڑے قدم اٹھائے۔

اوّل : اِن کے موسیقاروں نے نئی نئی دُھنیں ایجاد کیں۔

دوم : اِن کے عُلما نے یُونانیوں کی کُتب موسیقی کا ترجمہ عربی میں کیا۔

سوم : اِس موضوع پر خُود بھی کتابیں لکھیں۔

عرب موسیقار

اوائلِ اسلام میں عربوں کے ہاں چار قسم کے گیت بہت مقبول تھے :-

اوّل - عشقیہ : جن کو چالیس سال کی عمر تک ہر شخص عموماً خود گاتا، اور بعدازاں دوسروں سے سنتا تھا۔

دوم - جنگی : جنھیں شاعر، مطرب، مجاہد سب جنگ کے وقت گاتے تھے۔

سوم - کاروانی : یعنی سفر کے گیت، جن کو حُدی خوانی بھی کہتے ہیں۔

چہارم - مذہبی گیت : جنھیں عہدِ جاہلیت کے عرب قربانی، دعا اور پرستشِ اصنام کے وقت گایا کرتے تھے۔

اُس زمانے میں، گانا صرف عورتوں کا کام تھا۔ شاعر لحن (معمولی خوش آوازی) سے کام لیتے تھے، اور یہ لحن آج بھی باقی ہے۔ مترنم شعراء کی خوش نوائی لحن ہے۔ اور کسی فن کار کی نواسنجی موسیقی۔

حضرت فاروقِ اعظم کے بعد یہ حد بندی ختم ہوگئی، اور مرد بھی سُرتال کے ساتھ گانے لگے۔ اِن میں مدینہ کا رہنے والا طُوَیس سب سے پہلا مطرب تھا۔

لہ : یہ تفاصیل نیاز فتح پوری کی "علمائے اسلام" طبع ۱۹۵۵ء سے ماخوذ ہیں۔

یہ ایک مخنث تھا۔ اصل نام طاؤس۔ طُوَیس اس کی تصغیر ہے۔
مجد الدین فیروزآبادی نے اُس کا ایک قول نقل کیا ہے۔
کہتا ہے :-

"میری ولادت اُس رات کو ہُوئی۔ جس میں حضور صلعم نے انتقال فرمایا تھا۔ جس روز حضرت ابُو بکرؓ صدیق کی وفات ہُوئی، تو ماں نے میرا دُودھ چھُڑایا۔ شہادتِ عمرؓ کے روز مَیں بالغ ہُوا۔ شہادتِ عثمانؓ کے دِن مَیں نے شادی کی، اور شہادتِ علیؓ کے وقت میرا پہلا بچّہ پیدا ہُوا۔"

(اَلقاموس — زیرِ مادۂ "طوس")

یہ نحُوست میں ضرب المثل تھا۔ عرب کہا کرتے تھے :
هُوَ اَشْاَمُ مِنْ طُوَیس۔ کہ فلاں شخص طُوَیس سے بھی زیادہ منحُوس ہے۔

طُوَیس کے شاگردوں میں ابنِ سُریج نے خاص شہرت حاصل کی۔ یہ اہلبیت کا مدّاح تھا۔ اور حضرت اِمام حُسینؓ کی دُختر سُکینہؓ اِس کے گیتوں کو بہت پسند فرماتی تھیں۔ مکّہ کا مشہور حبشی موسیقار سعید بن مِسجاح بھی اس کے اساتذہ میں سے تھا۔ سعید کو دربارِ اُمیہ میں بڑی عزت حاصل تھی۔ یہ پہلا فن کار ہے۔ جس نے عربی موسیقی کے لیے کچھ اصُول وضع کیے۔ اس کے شاگردوں میں غَریض بھی تھا۔ جو جنابۂ سُکینہؓ کا غلام تھا۔

اُس دور میں دو اور فن کاروں کے نام بھی ملتے ہیں؛

اوّل : ابنِ مُحرز۔

جو عرب کا پہلا جھانجھ بجانے والا تھا۔

دوم : مدینہ کا مخلوط النسل مَعبدؔ۔
جو ولید اوّل (۷۰۵ — ۷۱۵ء) کا
درباری مُطرب تھا۔

خواتین میں جمیلہ اُس وقت کی ملکۂ موسیقی تھی۔ اس کے ہاں چھوٹے بڑے موسیقاروں کا ہر وقت جھگمٹا سا رہتا تھا۔ یزید ثانی (۷۲۰ — ۷۲۴ء) کی دو فن کار کنیزیں حَبّابہ اور سلامہ اسی کی شاگرد تھیں۔

اُس دور کا ایک اور موسیقار حُنین تھا۔ حِیرہ کا ایک عیسائی۔ اسے ایک موقعہ پر جنابۂ سکینہؔ نے طلب فرمایا۔ تو سامعین کے ہجوم سے مکان کی چھت گر گئی۔ اور حُنین نیچے دب کر مر گیا۔

(نیاز فتح پوری : عُلمائے اسلام
طبع لکھنؤ ۱۹۵۵ء۔ صفحہ ۱۴)

اُموی خُلفا میں سے یزید اوّل (۶۸۰ — ۶۸۳ء) اور ولید ثانی (۷۴۳ — ۷۴۴ء) موسیقار تھے۔ اور ان کے ہاں نَے و نغمہ کے بڑے بڑے جشن ہوتے تھے۔ جب عباسیوں نے اُمیّہ کے خلاف تحریک شروع کی۔ تو اُن پر ایک الزام یہ بھی عائد کیا۔ کہ وُہ فسق و فجُور کی طرف مائل ہیں۔ لیکن جب ان کا اپنا زمانہ آیا۔ تو انھوں نے اُمیّہ سے بڑھ کر موسیقی کی سرپرستی کی۔

■ عبّاسیوں کے دور میں موسیقی

عبّاسیہ کے پہلے دو خلیفوں سفّاح (۷۵۰ — ۷۵۴ء) اور منصُور (۷۵۴ — ۷۷۵ء) کی تمام تر توجہ قیامِ امن اور استحکامِ سلطنت پر مرکُوز رہی۔ تیسرے خلیفے المہدی (۷۷۵ — ۷۸۵ء) نے موسیقی کی سرپرستی شروع کی۔ اور

اُس وقت کے دو عظیم فن کاروں، عبداللہ بن وَہب کی اور اس کے شاگرد ابراہیم موصلی کو اپنے ہاں بُلا لیا۔ ابراہیم اِس فن میں اِتنا باکمال تھا، کہ ایک دِن تیس کنیزیں مِل کر عُود بجا رہی تھیں۔ اِس نے ایک کنیز کو کہا۔ تمھارے عُود کا دُوسرا تار بے سُرا ہے۔

مہدی کے فرزند ہارون الرشید (۷۸۶ــ ۸۰۹ء) کے جشنِ موسیقی میں کئی کئی ہزار موسیقار حصّہ لیتے تھے۔ اور اس کا بیٹا امین الرشید اِن جشنوں میں شام سے صبح تک ناچتا رہتا تھا۔

ہارُون کے زمانے میں ایک قصاب ــ بچّہ اپنا گوشت بیچنے کے لیے اِس انداز سے کچھ گاتا تھا، کہ راستے رُک جاتے تھے۔ اس کی شہرت ہارُون تک پہنچی تو اُسے بُلایا۔ اور گانا سُن کر تخت پر اپنے پہلو میں جگہ دی۔

(نیاز: مُلّائے اِسلام ص۶۲)

مامُون (۸۱۳ ــ ۸۳۳ء) کے زمانے میں ابراہیم کے فرزند اِسحاق موصلی کو بہت عرُوج حاصل ہُوا۔ یہی وُہ فن کار ہے۔ جس نے عربی راگ کو فیثاغوری قواعد کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی تھی۔

اِن خُلفا میں سے بعض موسیقار بھی تھے۔ مثلاً :۔

اَلْوَاثِق (۸۴۲ ــ ۸۴۷ء) : اِس نے کئی دُھنیں ایجاد کیں۔ نیز عُود بجانے میں کمال پیدا کیا۔

مُسْتَنصِر (۸۶۱ ــ ۸۶۲ء) اور

مُعْتَز بھی موسیقار تھے۔

٭ ٭ ٭

• موسیقی اَندلُس میں

اَندلُس میں عربی موسیقی کا تعارُف زِریاب نے کرایا تھا۔ یہ اِسحاق موصلی کا شاگرد تھا۔ عُود نے پانچویں تار کا اِضافہ اِسی نے کیا تھا۔ اِس کے بعد ابنِ فرناس نے موسیقی کو فروغ دیا۔

• رقّاص

اُس دور میں کچھ رقّاص بھی تھے:

اِصفہانی نے کُبَیش اور عبدُ السّلام کا ذِکر کیا ہے۔ یہ دونوں اِسحاق موصلی کے معاصر تھے۔

حمید بن احمد اور اُس کا بھائی اِبراہیم، بصر کے رقّاص تھے۔

مزید تفاصیل کتاب الاغانی میں دیکھیے۔

• یُونانی کُتُبِ موسیقی کے تراجم

۱ : فیثاغورس (۵۸۲ ق م) غالباً پہلا یُونانی فلسفی ہے۔ جس نے موسیقی پہ ایک کتاب لکھی تھی۔ اور جسے مترجمینِ بیتُ الحِکمت میں سے کسی ایک نے عربی میں مُنتقل کیا تھا۔

(میراث : ص ۳۶۳)

۲ : فیثاغورس کے بعد افلاطُون (۴۲۷ — ۳۴۷ ق م) نے اس موضوع پہ توجہ دی اور TIM..EUS کے عُنوان سے

ایک رسالہ لکھا۔ جسے پہلے یُوحنّا بن بطریق (۸۱۵ء) اور پھر حُنین بن اسحاق (۸۷۳ء) نے عربی میں تبدیل کیا۔

(ایضاً)

۳ : ارسطو (۳۸۴ — ۳۲۲ قم) نے موسیقی پر دو کتابیں لکھی تھیں :

۱ : پرابلیما (PROBLEMATA) اور

۲ : ڈی۔انیمہ (DE — ANIMA)

مؤالذکر کی شرح یونان کے دو عُلما۔ یعنی تھمسٹیئس (THEMISTIUS) اور سمپلسیئس (SIMPLICIUS) نے کی تھی۔

حُنین نے اِن متن و شرح کا عربی میں ترجمہ کیا۔ (ایضاً)

۴ : پرابلیما کا عبرانی ترجمہ ایک یہودی عالم موسیٰ بن طبن نے کیا۔

(ایضاً — صـ۳۶۹)

۵ : یونان کے ایک اور عالم ارسطاکسنس (۳۰۰ قم سے پہلے) نے بھی دو کتابیں موسیقی پہ لکھی تھیں۔ جو عربی میں منتقل ہوئیں۔

(ایضاً — صـ۳۶۴)

۶ : یُونان کے مشہور ریاضی دان اُقلیدس (۳۰۰ قم) کی دو کتابیں بھی اِسی موضوع پر تھیں۔ جن کا عربی میں ترجمہ ہُوا۔

(ایضاً)

۷ : حکمائے ذیل کی بھی ایک ایک کتاب موسیقی پر تھی۔ جن کا عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے :

اوّل : ارشمیدس (ARCHIMEDES)

۲۸۷-۲۱۲ ق م) ایک بلند پایہ ریاضی دان ۔

دوم : اپالونیئس پرگیس ۔

-APPOLLONIUS PERGEUS)

۲۶۲ ق م) حکیم و طبیعی ۔ (ایضاً)

۸ : نکومیکس (NICOMACHUS ۔ سنہ ء)
فیثا غوری مکتب فکر سے تعلق رکھتا ۔ اس نے موسیقی پر دو کتابیں لکھی تھیں :

اوّل : مینوئل آف ہارمنی (عنوان کا انگریزی ترجمہ) جس کا عربی میں ترجمہ نہیں ہوا ۔

دوم : انٹروڈکشن ٹو ارتھمیٹک ۔ جس میں موسیقی پر بھی بحث ہے ۔ اسے ثابت بن قرہ (۹۰۱ ء) نے عربی میں منتقل کیا تھا ۔

(ایضاً)

۹ : اسکندریہ کے شہرۂ آفاق منجم ۔ بطلیموس (یونانی الاصل) (سنہ ۱۵۰ء ۔ زندہ) جس کے نظامِ شمسی اور ہیئت کی ضخیم کتاب المجسطی پہ آج تک بحث ہو رہی ہے ، نے موسیقی پر بھی ایک کتاب لکھی تھی ۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کا عربی ترجمہ ہوا ہے یا نہیں ؟

(ایضاً : ص ۳۶۴)

٭ ٭ ٭

● موسیقی پر مسلمانوں کی کتابیں

گو دنیائے اسلام کا عام عقیدہ ہر زمانے میں یہی رہا، کہ اسلام نے موسیقی کی اجازت نہیں دی۔ تاہم متعدد علماء نے اِس فن پہ کتابیں لکھیں۔ جن میں سے بعض کے نام جدولِ ذیل میں بہ ترتیبِ زمانہ درج ہیں :-

جدول

شمار	نام	سال وفات	عنوانِ کتاب	ریمارک
۱	یونس الکاتب	۷۶۵ء	-	فنِ موسیقی پر لکھنے والا پہلا مسلمان عالم۔
۲	خلیل عروضی	۷۹۱ء	-	بن احمد بن عمر ازدی بصری۔ ولادت عمان (مشرقی ساحلِ عرب) میں ہوئی تھی۔ لیکن آپ نے بصرے میں اقامت اختیار کرلی۔ اور موسیقی پر ایک رسالہ لکھا۔!

شمار	نام	سالِ وفات	عنوانِ کتاب	ریمارک
۳	بذل کنیزِ مامون	۸۳۳ء	-	موسیقی پر ایک کتاب لکھی۔ جس میں سات ہزار راگوں کا ذکر تھا۔
۴	محمد بن موسیٰ خوارزمی	۸۴۴ء	مفاتیح العلوم	یہ ریاضی دان و منجم تھا۔ لیکن اس نے مفاتیح میں موسیقی پر بھی بحث کی ہے۔
۵	کندی۔ یعقوب بن اسحاق	۸۵۰ء	۱: رسالۃٌ الکبریٰ ۲: کتاب ترتیب النغم ۳: المدخلُ الی الموسیقی ۴: رسالۃٌ فی الایقاع ۵: رسالۃٌ فی صناعۃ الموسیقی	یہ عرب کا عظیم فلسفی تھا القفطی نے اس کی ۲۲۶ کتابوں کی فہرست دی ہے۔

ریمارک	عنوان کتاب	سال وفات	نام	شمار
	۶ : فی خبر صناعۃ الشعراء			
اس نے مامون کی ایک کنیز عریب پر، جو ایک ہزار راگ گا سکتی تھی، ایک کتاب لکھی۔	-	۸۶۶-۶۹ء	خلیفہ معتز عباسی	۶
اس نے اندلس کو خلیل عروضی کے نظریۂ موسیقی سے متعارف کرایا۔	-	۸۸۸ء	ابنِ فرناس اندلسی	۷
	۱ : کتاب الموسیقی الکبیر ۲ : کتاب الموسیقی الصغیر	۸۹۴ء	احمد بن محمد بن مروان السرخسی	۸

شمار	نام	سال وفات	عنوانِ کتاب	ریمارک
			۳ : المدخلُ الی علم الموسیقی	
۹	اِخوانُ الصفا	۹۰۰ء کے بعد	-	فلسفیوں کی یہ جماعت بصرہ میں تھی۔ پانچ ارکان پہ مشتمل۔ یعنی :- ۱ : المہرجانی ۲ : عَوْفی ۳ : ابنِ رفاعہ ۴ : ابوسلیمان محمد بن مُعشر ۵ : علی بن ہارُون اِنھوں نے ۵۲ رسائل لکھے :- ریاضی پہ : ۱۴ طبیعات پہ : ۱۷ فلسفہ پہ : ۱۰ الٰہیات پہ : ۱۱ رسائل ریاضی میں

ریمارک	عنوانِ کتاب	سالِ وفات	نام	شمار
سے ایک موسیقی پر بھی تھا۔				
	۱: مقالۃٌ فی الموسیقی ۲: کتابٌ فی ماسألہٗ ابوالحسن علی بن یحییٰ المنجم من ابواب علم الموسیقی	۹۰۱ء	ثابت[1] بن قُرّہ	۱۰
۲۳۳ کتابوں کا مُصنّف ۔ یہ شباب میں سارنگی بجایا کرتا تھا۔	موسیقی پہ مقالہ	۹۲۳ء	ابوبکر بن زکریا رازی	۱۱
کوئی ۳۰ کتابوں	-	۹۳۲ء	قسطا بن لوقا شامی	۱۲

[1] : ثابت بن قُرّہ - حُنین - اِسحاق وغیرہ غیرمُسلم تھے۔ لیکن مُسلمانوں کے مُلازم تھے۔ اِس لیے اُن کی تصانیف مُسلمانوں کی تصانیف کے ذیل میں آئیں گی۔

شمار	نام	سالِ وفات	عنوانِ کتاب	ریمارک
۱۳	ابنِ عبدِ ربہٖ قرطبی	۹۴۰ء	اَلعِقدُ الفرید	کا مُصنّف ۔ طِب، فلسفہ، موسیقی اور ہندسہ میں ماہر۔ گو یہ کتاب عربوں کا دیوان اور اُن کی ادبی تاریخ ہے۔ لیکن اِس میں مشہور موسیقاروں کے سوانح اور جوازِ موسیقی پر بحث بھی ہے۔
۱۴	فارابی ۔ ابُو نصر محمد	۹۵۱ء	کتابُ فی الموسیقی	قِفطی نے آپ کی ۴۳ کتابوں کے نام دیے ہیں۔ فلسفی اِنھیں ارسطوئے ثانی کہتے ہیں — !
۱۵	مسعُودی ۔ ابوالحسن علی بغدادی	۹۵۷ء	مُروجُ الذہب	اصلاً یہ تاریخی کتاب ہے ۔ جس میں ضمناً عرب و عجم کی موسیقی پر بھی بحث ہے۔

شمار	نام	سالِ وفات	عنوانِ کتاب	ریمارک
۱۶	ابوالفرج علی بن حسین الاصفہانی	۹۶۷ء	کتاب الاغانی	یہ دیوان عرب ہے اس میں ایام العرب، لوک گیتوں، ادبی، علمی اور ثقافتی مجالس کی تفصیل، موسیقاروں کے حالات، اور ان گانوں کا ذکر ہے۔ جو خلفا کو پسند تھے۔ اس میں دھنوں پر بھی بحث ہے، اور اُن شاعروں پر بھی، جنھوں نے وُہ گانے لکھے تھے۔
۱۷	ابنِ ندیم۔ محمد بن اسحاق الوراق۔ بغدادی	۹۹۵ء	الفہرست	در اصل یہ کتاب مسلمانوں کی تصانیف کی فہرست ہے۔ لیکن اس میں موسیقی، اور موسیقاروں پر بھی بحث موجود ہے۔

شمار	نام	سالِ وفات	عنوانِ کتاب	ریمارک
۱۸	ابوالوفا محمد بن محمد ابوزجانی الخراسانی	۹۹۸ء	-	اِن کی شہرت ہندسہ اور ریاضی میں تھی۔ لیکن اِن کی کچھ تحریرات موسیقی پر بھی ہیں۔
۱۹	مسلمہ بن احمد ابوالقاسم المرجیطی الاندلسی	۱۰۰۷ء	-	اندلس کا ایک بلند پایہ محاسب و منجم، جس نے موسیقی پر بھی کچھ لکھا تھا۔
۲۰	بوعلی سینا بخاری	۱۰۳۷ء	-	اَلْمَدْخَلُ اِلٰی صناعۃ الموسیقی کے علاوہ بوعلی سینا نے کتاب الشفا اور نجات میں بھی موسیقی پر بحث کی ہے۔
۲۱	ابنِ ہیثم حسن بن حسن بصری۔	۱۰۳۹ء	رسالۃ	فی تاثیر اللحون الموسیقیۃ بلند پایہ فلسفی، محاسب اور منجم۔ قفطی نے اس کی ۶۹ تصانیف دی ہیں۔

شُمار	نام	سالِ وفات	عُنوانِ کتاب	ریمارک
۲۲	ابنِ زَیلہ	۱۰۴۸ء	-	بُوعلی سینا کا شاگرد۔ موسیقی پر ایک کتاب کا مُصنّف۔
۲۳	کِرمانی	۱۰۶۶ء	-	اِس کا ذِکر آرنلڈ نے میراث (ص۳۶۵) میں کیا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ کون تھا۔ صرف اِتنا ہی کہا ہے کہ اس نے موسیقی پر کچھ لکھا تھا، اور رسائلِ اخوان الصفا کو مقبول بنانے کی کوشش کی تھی۔
۲۴	یحییٰ الخدُج المریسی الاندلسی	۱۱۰۰ء کے بعد	کتاب الاغانی	اصفہانی کے تتبع میں لکھی تھی۔ اس میں موسیقی پر بھی بحث ہے۔
۲۵	ابو الصّلت اُمیّہ مِصری۔	۱۱۳۴ء	مقالۃ علی الموسیقی	

شمار	نام	سالِ وفات	عنوانِ کتاب	ریمارک
۲۶	ابنِ باجہ - ابو بکر محمد بن یحییٰ سرقوسوی -	۱۱۳۸ء	کتاب الموسیقی	اَندلس کا فلسفی اور سیاست دان، ابنِ طفیل کا اُستاد -
۲۷	ابن العربی الاشبیلی الاندلسی - (مشہور ابن العربی وفات ۱۲۴۰ء الگ شخصیت ہے)	۱۱۵۱ء	-	۴۰ کتابوں کا مصنّف - جس نے ضمناً فنِ موسیقی اور سازوں کا بھی ذکر کیا ہے -
۲۸	محمد بن حدّاد	۱۱۶۵ء	موسیقی پر مقالہ	میراث ص ۳۶۵
۲۹	ابن النقّاش	۱۱۷۸ء	موسیقی پر مقالہ	میراث ص ۳۶۵
۳۰	ابوالمجد بن الباھلی	۱۱۸۰ء	موسیقی پر مقالہ	میراث ص ۳۶۵
۳۱	ابنِ رُشد - ابُوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رُشد قرطبی	۱۱۹۸ء	موسیقی پر رسالہ	اَندلس کا وہ ممتاز فلسفی، جس کا فلسفہ فرانس اور اٹلی کی درس گاہوں میں تین صدیوں تک پڑھایا جاتا رہا -

شمار	نام	سالِ وفات	عنوانِ کتاب	ریمارک
۳۲	عَلَم الدین قیصرِ مصری	۱۲۵۱ء	موسیقی پر تحریر	مِصر کا محاسب اور ماہرِ موسیقی۔
۳۳	ابنِ سبعین۔ ابُو محمد عبدالحق بن ابراہیم اشبیلی	۱۲۶۹ء	۔	تصوّف کے ایک مکتب کا بانی۔ اس نے موسیقی پر بھی ایک رسالہ لکھا تھا۔
۳۴	نصیر الدین محقق طوسی	۱۲۷۴ء	رسالۃٌ فی الموسیقی	منجم۔ منطقی، اور فلسفی۔
۳۵	صفی الدین عبدالمومن	۱۲۹۴ء	شَرَفیۃ	اِس نے اِس کتاب میں موسیقی کے نئے اصُول پیش کیے ہیں۔ اور بُو علی سینا اور فارابی پر تنقید کی ہے اِس نے اس موضوع پر ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔
۳۶	شمسُ الدین محمد بن اُلمرٔ حوم	۱۳۲۹ء	۔	اس نے موسیقی پر ایک منظوم رسالہ لکھا۔

شمار	نام	سالِ وفات	عنوانِ کتاب	ریمارک
۳۷	مولانا مبارک شاہ	۱۳۶۰ء زندہ		اس نے صفی الدین عبدالمومن کی کتاب موسیقی کی شرح لکھی۔ اور اسے شیراز کے جلال الدین شاہ شجاع (۱۳۵۷ — ۱۳۸۴ء) کی طرف منسوب کیا۔ شجاع آلِ مظفر سے تعلق رکھتا تھا۔
۳۸	عمرو بن خضر الکردی	۱۳۹۰ء	-	اس نے بھی موسیقی پر ایک کتاب لکھی تھی۔
۳۹	شمس الدین العجمی	۱۴۰۰ء کے بعد	کتابٌ فی الموسیقی	
۴۰	ابن خلدون - عبدالرحمٰن	۱۴۰۶ء	-	مشہور مورخ۔ اس نے اپنی تصانیف میں موسیقی پر بھی بحث کی ہے۔

شمار	نام	سال وفات	عنوانِ کتاب	ریمارک
۴۱	جُرجانی — علی بن محمد السیّد الشریف	۱۴۱۷ء	-	اس نے اپنی ایک کتاب میں، جو طبیعات پر ہے۔ موسیقی پر بھی ایک باب باندھا ہے۔
۴۲	ابنِ الفناری	۱۴۳۰ء	-	اس نے علوم و فنون پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی۔ نام غالباً "مجمع العلوم" تھا۔ اس میں موسیقی پر بھی بحث کی ہے۔
۴۳	اللاذِقی	۱۴۴۵ء	فتحیّہ	حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اسے صفی الدّین عبد المومن کا ہم مرتبہ قرار دیا ہے۔
۴۴	اِبشیہی بہاءُالدین محمد بن احمد المحلّی الشافعی المِصری۔	۱۴۴۶ء	المُستطرَف	اس میں موسیقی کے علاوہ باقی علوم پر بھی بحث ہے۔

شمار	نام	سالِ وفات	عنوانِ کتاب	ریمارک
۴۵	-	-	-	موسیقی پر ایک بے نام کتاب برٹش میوزیم میں رکھی ہے۔ جو عثمانیوں کے ساتویں سلطان محمد ثانی بن مراد ثانی (۱۴۵۱ - ۱۴۸۱ء) کی طرف منسوب ہے۔

نوٹ:۔

نمبر ا ــــ ۴۵ کی بیشتر تفاصیل آرنلڈ کی میراث سے ماخوذ ہیں۔ اور کچھ متفرق ماخذ سے لی گئی ہیں۔

• عربی کُتبِ موسیقی یورپ میں

قرونِ وسطیٰ میں یورپ ایک تاریک بحرِ ظلمات تھا۔ جہالت، بربریت اور بدکاری میں مبتلا۔ استنبول سے فرانس تک نہ کوئی کام کی درس گاہ تھی۔ نہ کتاب، نہ عالم نہ معلم۔ جب اسلامی تہذیب کا آفتاب بغداد سے اور ماہتاب اندلس سے طلوع ہوا۔ تو روشنی کی کرنیں یورپ کے دُور ــــ دراز گوشوں تک جا پہنچیں۔ خوابیدہ ذہنوں نے کروٹ لی۔ یورپ کے طلبہ، قرطبہ، غرناطہ، قاہرہ، دمشق

اور بغداد کی درس گاہوں میں آنے لگے۔ اور رفتہ رفتہ ایسے عالم پیدا ہوگئے۔ جو عربی و لاطینی دونوں میں ماہر تھے۔ اور عربوں کا علم یورپ کو دے سکتے تھے۔

- قسطنطین افریقی
- آرنلڈ آف ولے نوف
- مائیکل سکاٹ
- بن عذرا
- جیرارڈ۔ وغیرہ

اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے عربوں کی کتب موسیقی لاطینی وغیرہ میں منتقل کیں۔

چند نام حاضر ہیں :۔

۱ : ارسطو کی ڈی۔۔ ارنیما کے عربی ترجمہ کو جہینی اشپلانی (JOHANNES HISPLENSIS — ۱۱۵۷ء) نے لاطینی میں منتقل کیا۔ (میراث۔ ص ۳۶۹)

۲ : جالینوس (۱۳۰ — ۲۰۰ء) کی ڈی۔ وَوسی (DE – VOCE) کا عربی ترجمہ بھی لاطینی میں منتقل ہوا۔ لیکن مترجم کا نام معلوم نہیں۔ (ایضاً)

۳ : فارابی (۹۵۰ء) نے موسیقی پر دو ضخیم کتابیں لکھی تھیں۔ ان میں سے ایک کا لاطینی ترجمہ جہینی نے DE SCIENTIIS کے عنوان سے کیا، اور دوسری کا جیرارڈ آف کریمونہ (۱۱۸۷ء) نے DE ORTU SCIENTIARUM — کے نام سے۔ (ایضاً)

۴ : بُو علی سینا (۱۰۳۷ء) نے ارسطو کی ڈی — اُرنیما کا ایک ملخص تیار کیا تھا۔ جسے جُہَینی نے لاطینی میں ڈھالا۔

(ایضاً)

۵ : چار سو سال بعد اِسی کتاب کو اینڈریاس الپاگ —
(ANDREAS ALPAGUS — ۱۵۲۰ء) نے
لاطینی میں مُنتقل کیا۔ (ایضاً)

۶ : ابنِ رُشد (۱۱۹۸ء) نے ڈی — اُرنیما کی ایک شرح لکھی تھی۔ جس کا لاطینی ترجمہ مائیکل سکاٹ (۱۲۳۲ء) نے کیا۔

(ایضاً)

۷ : اُقلیدس کی الف تا نوں (عربی ترجمہ) عبرانی میں مُنتقل ہُوئی۔

(ایضاً)

۸ : موسٰی بن طبّق اِسرائیلی (۱۲۸۳ء) نے ارسطو کی پرابلیمٹا کا عربی ترجمہ عبرانی میں ڈھالا۔ (ایضاً)

۹ : اِبراہیم بن حییّہ اِسرائیلی (۱۱۳۶ء) نے ابُوالصّلت اُمَیّہ (۱۱۳۴ء) کے مقالۂ موسیقی کو عبرانی لباس پہنایا۔

(ایضاً : صت ۳۷)

۱۰ : تڑ طوّسہ (سپین) کے شم طاب اسحاق —
(SHEM TOB ISAAC — ۱۲۶۷ء) نے
ابنِ رُشد کی شرح (اُرنیما) کو عبرانی میں ڈھالا۔

(ایضاً : صت ۳۷)

۱۱ : کلونی مَس (۱۳۲۸ء) نے اُلفارابی

عبرانی ترجمہ کیا۔ (ایضاً)

۱۲ : قسطنطین افریقی (۱۰۸۷ء) نے۔ جو سلرنو (نیپلز کے نزدیک۔ اٹلی میں) کی طبی اکاڈمی میں پرنسپل تھا۔ دو کتابیں بعنوان : DE HUMAN NATURE اور DE MORBORUM COGNITIONE لکھیں۔
ایک کا موضوع تھا :
" انسانی زندگی پر ستاروں کا اثر "
اور دُوسری کا :
" موسیقی سے بیماری کا علاج "
یہ دونوں کتابیں عربوں کے نظریات پہ مبنی تھیں۔
(ایضاً)

۱۳ : گنڈی سلواس (— GUNDISALVUS — ۱۱۳۰ء — ۱۱۵۰ء) نے اپنی ایک لاطینی تصنیف DE DIVIONE PHILOSOPHIAE میں موسیقی پہ ایک باب باندھا ہے۔ جو تمام تر الفارابی سے ماخوذ ہے۔
(ایضاً)

۱۴ : موسیقی پر ایک لاطینی کتاب کا نام DE MUSICA ہے جس کا مصنّف ایک جعلی ارسطو ہے۔ اس نے سب کچھ فارابی سے لیا تھا۔ (ایضاً)

۱۵ : اسی طرح وِنسینٹ ڈی بوَیس ———
(VINCENT DE BEAUVAIS ۱۲۶۴ء)

نے اپنی ایک کتاب SPECULUM DOCTRINALE
میں فارابی کا بار بار حوالہ دیا ہے۔

(ایضاً)

۱۶: سپین کے ایک مفکر جیمز ایجیڈیئس —
(JOHANNES AEGIDIUS — ۱۲۷۰ء)
کی کتاب ARS MUSICA کا مآخذ بھی فارابی تھا۔

(ایضاً)

۱۷: راجر بیکن (۱۲۸۰ء) نے اپنی کتاب OPUS TERTIUM
میں موسیقی پہ ایک باب باندھا ہے۔ جس میں اُقلیدس، اور
بطلیموس کے ساتھ فارابی کا بھی بار بار حوالہ دیا ہے، اور
بُوعلی سینا کی سند سے واضح کیا ہے، کہ موسیقی سے علاجِ امراض
کا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ (ایضاً)

۱۸: اسی موضوع (علاجِ امراض) پر والٹر اُڈنگٹن (۱۲۸۰ء)
اور اینجل برٹ (ENGELBERT —۱۳۳۱ء)
نے ایک ایک کتاب لکھی تھی۔ اور سینا ہی کا سہارا لیا تھا۔

(ایضاً)

۱۹: جیرُوم آف مُراوِیہ (تیرھویں صدی عیسوی) نے اپنی کتاب
DE MUSICA میں الفارابی کے نظریۂ موسیقی پر
پورے باب میں بحث کی —، اور باقی ابواب میں اُس کا
بار بار حوالہ دیا۔

(ایضاً)

۲۰ : علمائے ذیل نے بھی اپنی تصانیف کی تکمیل میں فارابی سے مدد لی تھی :-

جارج وَیلا (VALLA ــــــ ۱۵۰۱ء)
جارج ریش (REISH ــــــ ۱۵۰۸ء)
اور کامریرِیُس (CAMERARIUS ــــ ۱۶۳۸ء)

(ایضاً)

ہندی موسیقی

ہندی موسیقی ترکیب و ہیئت میں عربی موسیقی سے قطعاً جُداگانہ ہے۔ اس کے سوز و گداز سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ مندروں اور معبدوں کی کوکھ سے پیدا ہوئی۔ پجاری اپنے دیوتا کو متوجہ کرنے کے لیے ایک چھوٹے سے جُملے کو مثلاً :-

"ہو مجھ پہ کرپا (نظر) مورے رام"

انداز اور آواز بدل کر بار بار دُہراتا۔ اور ساتھ ساتھ روتا اور گِڑگڑاتا بھی ہے

اس ریاضت نے رفتہ رفتہ مختلف راگوں مثلاً :-

❖ بھیرویں	❖ باگیشری	❖ مالکونس
❖ دیپک	❖ رام کلی	❖ دھناسری
❖ کھمباوتی	❖ مالسری	❖ سارنگ
❖ مورٹھی	❖ للت	❖ دُھرپد
❖ مادھرا	❖ ٹھمری	❖ دادرا
❖ درباری	❖ ایمن کلیان وغیرہ	

کی صورت اختیار کر لی۔

کہتے ہیں کہ :

ہندی موسیقی کے کُل راگ تقریباً ۳۵ ہزار ہیں۔

ہندی موسیقی کے بڑے بڑے سکول (مکتب) تین ہیں :

۱ : کرانہ گائیکی

۲ : آگرہ گائیکی ، اور

۳ : پٹیالہ گائیکی

• کرانہ گائیکی

کرانہ ، دہلی کے قریب ایک گاؤں تھا ، جہاں کے دو بھائی نائک بھانو اور نائک دھاندو راجہ مان (۱۴۸۶ء — ۱۵۲۶ء) کے درباری موسیقار تھے۔ اِس مکتب سے کچھ مُسلمان بھی وابستہ رہے ۔ مثلاً :-

رحیم علی اور اُس کے دو بیٹے شہاب خان اور ولایت علی۔

شہاب خان کا بیٹا ننھے خان ، ریاست بیدر (دکن) کے والی ، راجہ چندو لال کا درباری مُطرِب تھا۔

ننھے خان کا فرزند رحیم بخش ، نظامِ دکن (محبُوب علی) کے دربار سے مُنسلِک تھا۔

ہندوستان کی عظیم ترین مُغنّیہ ہیرا بائی بڑودکر (عبدالکریم خان کی دُختر) اِسی رحیم خان کی شاگرد تھی ۔ اور پاکستان کی ملکۂ موسیقی روشن[۱] آرا بیگم ، عبدالکریم خان کی شاگرد ہے۔

---

۱ : لالہ مُوسیٰ کی رہنے والی حکومت کی خطاب یافتہ ۔ گو اَب (۱۹۷۰ء) کہولت کی منازل سے گزر رہی ہے ۔ لیکن اِس کی آواز میں شباب کی توانائی اور شیرینی ہنُوز موجُود ہے ۔ یہ ٹی ۔ وی پہ بارہا آچکی ہیں۔

• آگرہ گائیکی

اِس مکتب کا بانی دربارِ اکبر کا ایک مُغنی حاجی سُبحان خان تھا۔ اُس کے دو بیٹے شام رنگ اور سرس رنگ بھی اُونچے درجے کے گویّے تھے۔ اِس مکتب کا سب سے بڑا گویّا گھگّے خدا بخش تھا۔ اِس کے تینوں فرزند کلّن خان، شیر خان اور غلام عبّاس بھی موسیقار تھے۔ غلام عباس نے ایک سو بیس سال کی عُمر پائی اور سنہ ۱۹۴۷ء میں فوت ہُوا۔ بڑودے والا اُستاد فیّاض خان اِسی غلام عبّاس کا نواسہ تھا۔

کلّن خان ریاستِ جے پور سے وابستہ تھا۔

اور شیر خان ریاستِ میسُور سے۔

اُستاد فیّاض نے بڑے بڑے شاگرد پیدا کیے۔ مثلاً :-

- عظمت حسین خان۔
- شرافت حسین خان۔
- عطا حسین خان۔ اور
- بندے حسین خان۔

• پٹیالہ گائیکی

یہ سکوُل بہت پُرانا نہیں، بلکہ پچھلی صدی کے آخر میں اُبھرا تھا۔ ہُوا یُوں کہ پٹیالہ کے ایک مہاراجہ نے اپنے ہاں بڑے بڑے موسیقار جمع کر لیے۔ اور اُس کا دربار ایک الگ مکتب بن گیا۔ فتح علی خان، اور علی بخش اِس مکتب کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ دونوں بہادر شاہ ظفر کے

درباری گائیک ، تان رس خان کے شاگرد تھے ۔ بڑے غلام علی خان اسی علی بخش کا بیٹا تھا ، اور پٹیالہ گائیکی کا سب سے بڑا نمائندہ ۔ فتح علی خان کا لڑکا عاشق علی خان (۱۹۴۸ء) بھی بلند پایہ موسیقار تھا ۔

پاکستان کی تین فن کار خواتین :

۱ : ملکہ پکھراج

۲ : فریدہ خانم ، اور

۳ : زاہدہ پروین

اسی کی شاگرد ہیں ۔ پاکستان کے دو نوجوان فن کار ، امانت علی اور فتح علی ، علی بخش کے پوتے ہیں ، اور اختر حسین خان کے فرزند ۔

● دربارِ اکبر

اکبر کا دربار موسیقی کا سب سے بڑا گڑھ تھا ۔ اس میں تقریباً سترہ سو گویّے تھے ۔ تان سین ان کا سردار تھا ۔ بیجو باورا ، میاں چاند خان ، سورج خان ، تان ترنگ خان ، حسن خان ، نوبت خان اور مرزا عاقل کا مقام اس کے بعد آتا ہے ۔

تان سین ریاستِ ریوا میں ایک برہمن کے گھر پیدا ہوا تھا ۔ بعد میں مسلمان ہو گیا ۔ ۱۵۸۸ء میں وفات پائی ، اور گوالیار میں دفن ہوا ۔ اس کا مقبول راگ درباری تھا ۔ یہ تین راگوں یعنی :-

۱ : میاں کی توڑی

۲ : میاں کی ملہار ، اور

۳ : میاں کے سارنگ کا موجد تھا ۔

• پاکستان میں موسیقی

پاکستان کے دونوں حصّوں (مشرقی و مغربی) میں راگنیوں، راگوں، اور گیتوں کی وہ بھرمار اور موسیقاروں کی وہ کثرت ہے، کہ انھیں ضبط کرنے کے لیے کئی جلدیں چاہئیں۔ آج :

- فردوسی بیگم ✣ نزاکت علی، سلامت علی
- گلنار بیگم (سرحد) ✣ مالا ✣ نور جہاں
- نذیر بیگم ✣ بیگم سلمیٰ ✣ لیلیٰ ارجمند بانو
- اقبال بانو ✣ ثریا ملتانیکر ✣ کشور سلطانہ
- خمیسو خان سندھی ✣ مصری خان سندھی
- فیض محمد بلوچ ✣ سائیں اختر ✣ عالم لوہار
- محمد جمن سندھی ✣ احمد خان (سرحد)
- مطیع الحق (چٹاگام) ✣ زاہدہ پروین
- اروناں لیلیٰ ✣ بینا لیلیٰ ✣ ریشماں
- ناہید نیازی ✣ نجمہ نیازی ✣ نسیم بیگم
- مہدی حسن ✣ احمد رشدی،
- مسعود رانا ✣ سہیل رانا۔

اور سینکڑوں دیگر فن کاروں کی نواؤں سے پاکستان گونج رہا ہے۔ ان میں سے کون کس فن میں یکتا ہے۔ اس پر کوئی ماہرِ فن ہی بحث کر سکتا ہے! میں صرف اتنا کہہ کر اس بحث کو ختم کرتا ہوں، کہ اس وقت ہمارے موسیقار ہمارے معاشرے پہ چھائے ہوئے ہیں۔ اُن کے عشقیہ گانوں سے ہمارے

درو دیوار گونج رہے ہیں۔ یہ ہمارے نوجوانوں کو مائل بہ لذت کر رہے ہیں، اور نظامِ اخلاق کو متزلزل۔

اے کاش!

کہ ایسا نہ ہوتا۔

نوٹ :-

ہندی موسیقی کا مواد اِن کتابوں سے لیا گیا ہے :

۱ : سُر سنگیت : عنایت ملک، خالد محمود
طبع لاہور، ۱۹۶۱ء

۲ : ہماری موسیقی
۳ : پاکستان کوارٹرلی } ادارۂ مطبوعاتِ پاکستان۔ کراچی

مُسلمانوں کا فنِ تعمیر

اسلامی فنِ تعمیر کی اِبتدا گارے کا ایک چھپّر یعنی مسجدِ نبوی تھی ، اور اِنتہا آگرے کا تاج محل ۔ ظاہر ہے ، کہ اِس حَسین اِنتہا تک پہنچنے کے لیے ہمارا فنِ تعمیر بے شمار اِرتقائی منازل سے گذرا ہو گا ۔ عربوں کا کوئی اپنا فنِ تعمیر نہیں تھا ۔ وُہ جس مُلک میں پہنچے ، وہیں کے معماروں سے کام لینے لگے ۔ ایران میں ایرانی معماروں سے ، مصر میں مصریوں سے ، اور جہاں کوئی چیز پسند آگئی ۔ اُسے دیگر ممالک میں رواج دیتے گئے ۔ اِس طرح سو ۔ دو سو سال میں اِسلامی فنِ تعمیر نے ایک معیّن ہیئت اختیار کر لی ۔ محراب ۔ گنبد ۔ مینار ۔ حوض ۔ وسیع صحن ۔ جالیاں ۔ نظر فریب کُتبے اور حَسین نقش و نگار مساجد کا لازمہ بن گئے ۔

دُوسری طرف بڑے بڑے دروازے ۔ بُرج ۔ اُونچی محرابیں ۔ پچی کاری ۔ حَسین ماحول ۔ چشمے ۔ سبزہ زار ، اور فوّارے شاہی عمارات کے اجزائے لاینفک قرار پائے ۔

ہماری تعمیرات کی معیاریت ۔ ہم نوعیت اور یک رنگی میں حج کو بھی دخل تھا ۔ کہ مسلم معمار حج پہ جاتے ہوئے مختلف شہروں سے گزرتے ۔ اُن کی مساجد ، مقابر نیز دیگر عمارات دیکھتے ۔ ہر اچھی چیز کو ذہن یا قرطاس میں نقش کرتے چلے جاتے ۔

مسلمانوں نے ہر قوم سے اچھی چیزیں لے کر انھیں اپنے نظریات و عقائد کے سانچوں میں یوں ڈھالا ، کہ تعمیر کا ہر پہلو ہماری تہذیب ، کردار اور خصوصیات

کی علامت بن گیا۔ مینار انگشتِ شہادت کی۔ گنبد سفید عمامہ کی۔ حوضِ علم کی۔ صحن وسعتِ قلب کی۔ اور جالیاں پُر نور سینوں کی۔

● ہماری عمارات

ہم نے ہندوستان پر ساڑھے آٹھ سو۔ ہسپانیہ پر آٹھ سو۔ سسلی پر پونے تین سو اور مالٹا پر دو سو سال حکومت کی تھی۔ عرب، عراق، شام، ایران، افغانستان، مصر، لیبیا، ٹیونس، الجیریا اور مراکش پر ہم چودہ سو سال سے مسلط ہیں۔ ہم نے ان ممالک میں بے شمار عمارات بنوائی تھیں۔ جن میں سے کچھ تو کھنڈر بن چکی ہیں اور کچھ باقی ہیں۔ ان تمام پر بحث کرنا میرے بس کی بات نہیں۔ اس لیے چند ایک کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں :-

● بیت اللہ الحرام

اس[1] عمارت کی بنا مسیح سے اڑھائی ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ڈالی تھی۔ بعد میں یہ بارہا گری اور بنی۔ ۶۰۵ء میں اس کی چھت جل گئی اور سیلاب سے دیواریں پھٹ گئیں۔ چنانچہ قریش نے اس کی از سرِ نو تعمیر کرائی، اور حضور صلعم نے دستِ مبارک سے حجرِ اسود نصب فرمایا۔

---

[1] : فنِ تعمیر کے متعلق تمام معلومات :-
۱ : شیخ احمد کی مسلم آرکی ٹیکچر۔ طبع لاہور ۱۹۴۱ء
۲ : لین پول کی سیرسینک آرٹ۔ اور
۳ : آر۔ ٹی۔ آرنسٹ کی مسلم آرکی ٹیکچر سے ماخوذ ہیں۔

اِس کے بعد اِس میں کئی اِضافے ہوئے :۔

پہلا : فاروقِ اعظمؓ نے ۶۳۸ء میں کیا۔

دوسرا : حضرت عثمانؓ نے ۶۴۹ء میں ۔ اور

تیسرا : حضرت عبداللہ بن زُبیر نے ۶۸۳ء میں ۔

خلیفہ عبدالملک نے ایسے ستونوں کا اِضافہ کیا۔ جن پر سونا چڑھا ہُوا تھا۔

ولید بن عبدالملک نے حرم میں سنگِ مرمر لگوایا۔

خلیفہ مکتفی (۹۰۲ — ۹۰۸ء) نے چاندی کے دروازے بنوائے۔ جن پر سُنہری نقش و نگار تھے۔ نیز سات مینار تیار کرائے، اور سلاطینِ مصر اور تُرکی نے اِسے مزید آراستہ کیا۔

مسجدِ نبوی

یہ مسجد حضور صلعم نے ۶۲۲ء میں تعمیر کرائی تھی۔ اُس وقت اِس کی دیواریں گارے کی، اور چھت پر کھجور کی شاخیں تھیں۔ بعد میں فاروقِ اعظمؓ اور حضرتِ عثمانؓ نے اسے وسیع کیا۔ عبدالملک نے اس میں ستونوں اور میناروں کا اِضافہ کیا۔ مامون عباسی اور بعد کے کئی سلاطین نے اِسے مزید حسین و جمیل بنایا۔

مسجدِ اقصیٰ و مسجدِ عُمر یا قُبّۃُ الصخرا

مسجدِ عُمر اُس مقام پر تعمیر ہوئی ہے، جہاں سے حضور صلعم معراج کی رات بُراق پہ سوار ہو کر آسمانوں کی طرف گئے تھے، اور جہاں فتحِ یروشلم کے روز فاروقِ اعظمؓ نے نماز ادا کی تھی۔ اِس کا معمار یزید بن سلّم مُقدسی تھا۔ پہلے یہ مسجد معمُولی سی تھی۔ عبدالملک نے اِسے حسین پتھروں سے بنوایا، اور وسیع

پیمانے پر نقش و نگار کرائے۔

مامون کے عاملِ خراسان، عبداللہ بن طاہر (۸۲۸ — ۸۴۴ء) نے اس کا پورج بنوایا۔ ۹۸۵ء میں مسجدِ اقصےٰ کے کُل ۲۶ دروازے تھے۔ ۱۰۳۵ء میں ظاہرِ فاطمی (۱۰۲۰ء — ۱۰۳۵ء) نے عبداللہ نامی ایک معمار سے مسجد کی تجدید کرائی اور دروازوں کی تعداد ۱۵ کر دی۔ ۱۴۴۸ء میں مسجدِ اقصیٰ کو آگ لگ گئی۔ اور سُلیمانِ اعظم عثمانی (۱۵۲۰ — ۱۵۶۶ء) نے سنگِ مرمر چمکیلی ٹائلوں اور حسین پتھروں سے اِسے دوبارہ بنوایا۔ ہماری بعض دیگر عمارات اور مساجد کے کوائف جدولِ ذیل میں دیکھیے :-

دِیگر عمارات

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کِس نے بنوائی	ریمارکس
	مسجدِ کُوفہ	۶۳۹ء	بہ عہدِ عُمرؓ بن خطاب	کہتے ہیں کہ مسجدِ نبوی کے بعد یہ دُوسری مسجد تھی۔ اِس کے ستُون سنگِ مرمر کے تھے، اور اس کا معمار حمدان کا رُوذبہ تھا۔

شمار	عمارت	سال تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
۲	مسجدِ فسطاط	۶۴۲ء	عمرو بن عاص	یہ مسجد ۹۲ × ۵۶ فٹ تھی — چھ دروازے اور پست چھت۔ عہدِ معاویہ میں مصر کے گورنر مسلمہ بن مخلد نے اس کی تجدید کرائی اور چار مینار بنوائے۔ ۷۰۵ء میں ولید نے اسے وسیع تر اور جمیل تر بنایا اور اس قسم کے اضافے آج تک ہو رہے ہیں۔
۳	مسجدِ قیروان	۶۷۰ء	عقبہ بن نافع	یہ ایک سپہ سالار تھا جسے ۶۶۱ء میں امیر معاویہ نے بربرہ کی طرف بھیجا تھا۔ اس نے

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				ٹیونس شہر کے جنوب میں ایک چھاؤنی (قیروان) کی بنا ڈالی۔ جس میں کئی مساجد تعمیر ہوئیں۔ اِن میں سے ایک مسجدِ عقبہ ہے۔ ۵۶۰ × ۳۲۰ فٹ۔ اِس میں پہلے خلیفہ ہشام نے اور بعد میں اغلبی امیر زیادت اللہ اوّل (۸۱۶ء - ۸۳۷ء) نے اضافے کرائے۔
۴	جامعِ دمشق	۷۰۵ء	عبدالملک نے شروع اور ولید نے مکمل کی۔	۵۳۰ × ۳۲۰ فٹ۔ یہاں پہلے معبد الشمس تھا جو ۱۱۲ قم میں بنا تھا۔ اسے عیسائیوں نے کلیسا بنایا، اور

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				مسلمانوں نے مسجد۔ یہ پہلی مسجد ہے، جس میں سیڑھیوں والے مینار، اور گول محرابیں بنائی گئیں۔
۵	مسجدِ قرطبہ	۷۸۶-۹۴ء	عبدالرحمان اوّل (۷۵۶-۷۸۸ء)	یہ مسجد عبدالرحمان نے شروع کی۔ لیکن اس کی تکمیل اس کے فرزند ہشام (۷۸۸-۷۹۶ء) کے ہاتھوں ہوئی۔ اِس میں گیارہ منقّش دروازے، دو سو فانوس، کئی زرّیں کتبے اور فوّارے تھے ساتھ ایک باغ اور صحن میں ایک شاذروان تھا۔

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				۱۴۹۲ء میں مسلمانوں کو شکست ہوئی، تو فرڈینان نے اسے کلیسا بنا دیا۔
۶	فصیلِ بغداد	۷۶۲ء کے قریب	منصور عباسی	بغداد کی بنا منصور عباسی (۷۵۴-۷۷۵ء) نے ۷۶۲ء میں ڈالی تھی۔ اس کی فصیل عظمت و استحکام کا شاہکار تھی۔ اس پر ۱۶۰ مینار تھے۔ ساتھ ایک خندق آبِ دجلہ سے ہمیشہ پُر رہتی تھی۔ منصور نے بغداد میں ایک نہایت عمدہ مسجد بھی بنوائی تھی۔
۷	مسجدِ سامرّہ	۸۵۷ء کے قریب	متوکل (۸۴۷-۸۶۱ء)	سامرّہ بغداد کی ایک اضافی بستی تھی۔

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				اِس میں متوکّل نے چار لاکھ دینار کے صرف سے لبِ دجلہ ایک خوشنما مسجد بنوائی تھی۔ بہت وسیع ۹۳۶۰ × ۶۵۶۴ فٹ۔ اِس میں متعدد مینار تھے۔ لیکن اب یہ موجود نہیں۔
۸	مسجدِ احمد ابنِ طولون	۸۸۰ء کے قریب	احمد	بخارا کے ایک سامانی فرماں روا نے اپنا ایک غلام (طولون) مامون کو تحفۃً بھیجا۔ مامون نے اِسے مناصب عالیہ پہ فائز کیا، اور جب اس کا فرزند احمد جوان ہوا، تو اِسے

ریمارکس	کس نے بنوائی	سالِ تعمیر	عمارت	شمار
خلیفہ مُعتز (۸۶۸ — ۸۶۹ء) نے عاملِ مصر مقرر کر دیا۔ وہاں یہ خودمختار بن بیٹھا، اور اِس نے اپنے چار جانشینوں سمیت ۳۸ برس حکومت کی۔ اِس نے فسطاط کے قریب ایک مسجد، ایک مدرسہ، اور ایک لائبریری بنائی تھی۔				
۹۰۸ء میں ایک بربری شیعہ ابومحمد عبداللہ مہدی نے مراکش سے مصر تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ یہ	مُعز فاطمی (۹۵۲ — ۹۷۵ء)	۹۷۵ء	جامعہ اَزہر	۹

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				سلسلۂ فاطمیہ کا بانی تھا۔ یہ خاندان سنہ ۱۱۷۱ء تک زندہ رہا — اِس خاندان نے سنہ ۹۶۹ء میں قاہرہ فتح کر لیا۔ اور وہاں ایک عظیم الشان مسجد بنا کر اُس کے ساتھ ایک درس گاہ بھی قائم کر دی — جو جامعۂ اَزہر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ یونیورسٹی آج بھی جوبن پر ہے۔ اِس میں ہر عہد کے سلاطین نے اضافے کیے، اور اِس لیے اِس کا ہر حصہ جداگانہ

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				فنِ تعمیر کا مظہر ہے۔
۱۰	مسجدِ الحاکم	۹۹۶ء	الحاکم (۹۹۶-۱۰۲۰ء)	قاہرہ کی یہ مسجد عزیز فاطمی (۹۷۵-۹۹۶ء) نے ۹۹۰ء میں شروع کرائی۔ لیکن تکمیل الحاکم کے ہاتھوں ہوئی۔ یہ مسجد اب باقی نہیں رہی۔
۱۱	مسجدُ الجیُوش	۱۰۸۵ء	بدر الجمالی (۱۰۹۴ء)	بدر الجمالی - خلیفہ مُستنصر فاطمی (۱۰۳۵-۱۰۹۴ء) کا سپہ سالار تھا۔ جس نے قاہرہ کے قریب ایک پہاڑی آ قتم پر یہ مسجد بنائی تھی۔
۱۲	فصیلِ قاہرہ	۱۰۸۷ء	״	اِس میں کئی

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
۱۳	مدرسہ	۱۱۷۶ء	صلاح الدین ایوبی (۱۱۶۹-۱۱۹۳ء)	منقش دروازے اور اُوپر برج تھے۔ قاہرہ میں امام شافعی کے روضہ کے پاس بنوایا۔ بہت وسیع ہے اس نے ایک قلعہ بھی بنوایا تھا قلعۃ الجبل کے نام سے۔
۱۴	تعمیراتِ ایوبیہ و مملوکیہ			صلاح الدین ایوبی ایوبی سلسلے کا پہلا سُلطان تھا۔ اس کے جانشینوں نے مصر، شام وغیرہ پر ۱۲۲۸ء تک حکومت کی۔ اور ہر جگہ بیسیوں مساجد بنوائیں + ان کے بعد مصر میں

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				ممالیک برسراقتدار آگئے۔ جو ۱۲۵۰ء سے ۱۵۱۷ء تک حکومت کرتے رہے۔ اِن کے سلاطین کی تعداد ۵۳ تھی۔ اِن لوگوں نے سینکڑوں مساجد اور مدرسے تعمیر کرائے۔ اِن میں سے ایک ناصرالدّین محمد بن قلاؤں نے تیس مساجد بنوائیں۔ جن میں سے ۲۰۔ اب بھی موجود ہیں۔
۱۵	عباسیہ، سامانیہ، سلاجقہ وغیرہ کی تعمیرات۔	۷۵۰ – ۱۲۵۸	خلفا	خلفائے عباسیہ کے طویل دورِ اقتدار (۵۰۸ سال) میں خلفا اور اُن کے

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				عاملین نے ملتان سے بحرِ اکش اور سمرقند سے بحیرۂ اُستوذ تک کتنی عمارات بنوائیں۔ اس کی تفصیل پیش کرنے کے لیے ایک عمر چاہیئے۔ یہی حال سلجوقیوں، سامانیوں، صفویوں اور عثمانیوں کا تھا۔ اِس لیے ہم اِس داستان کو یہیں چھوڑکر تعمیراتِ ہند کی طرف توجہ کرتے ہیں۔
۱۶	تعمیراتِ ہند	۱۰۰۱ء – ۱۸۵۷ء	سلاطینِ ہند	ہند میں سلاطینِ دہلی کے نو بڑے سلسلوں :- ۱ : غزنی ۲ : غوری

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				۳ : مملوک ۴ : خلجی ۵ : تغلق ۶ : سادات ۷ : لودھی ۸ : افاغنہ، اور ۹ : مغلیہ کے علاوہ کئی صوبائی سلسلے مثلاً :- ٭ جونپور ٭ مالوہ ٭ دکن وغیرہ بھی برسر اقتدار رہے۔ اور انھوں نے سینکڑوں عمارات بنوائیں۔ ان میں سے صرف چند ایک کا ذکر کروں گا:
۱۷	عروسِ فلک	۱۰۱۹ء	محمود غزنوی	محمود، قنوج و متھرا کو تاراج کرنے کے

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				بعد ۱۰۱۰ء میں غزنی واپس گیا۔ تو وہاں ایک عالیشان مسجد عروسِ فلک کے نام سے بنوائی۔ نیز مینارِ فتح تعمیر کرایا۔ جو ۱۴۰ فٹ بلند تھا۔ اور اُس کا چبوترہ ستارے کی شکل کا تھا۔ غزنویوں نے کئی اور عمارات بھی بنوائیں۔ جو اب موجود نہیں۔
۱۸	افغانوں کی عمارات	۱۱۹۳ء — ۱۵۵۵ء	-	غوری، مملوک اور لودھی سب کے سب پٹھان تھے۔ اُنھوں نے دہلی، اجمیر اور دیگر مقامات پر بیسیوں مساجد، مدارس، مقابر اور

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
۱۹	عماراتِ تغلق	۱۳۲۰ء۔ ۱۴۱۲ء	۔	محل بنوائے۔ دہلی کا قطب مینار، اور ارد گرد کی عمارات انہی کی تعمیر کردہ ہیں۔ اِس خاندان کے گیارہ بادشاہوں نے ۹۲ برس حکومت کی۔ اِن میں سے صرف تین یعنی غیاث الدین محمد شاہ اور فیروز شاہ کو عمارات سے دلچسپی تھی۔ غیاث نے دہلی کے قریب تغلق آباد بنوایا۔ جو اب کھنڈر بن چکا ہے اس میں ایک ایسا محل بھی تھا۔ جس میں سونے کی اینٹیں لگی ہوئی تھیں۔

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				(مسلم آرکی ٹیکچر۔ از شیخ احمد ص۱۷) غیاث الدین کا روضہ اب بھی موجود ہے اور اچھی حالت میں۔
۲۰	فیروز آباد	۱۳۵۱ء — ۱۳۸۸ء	فیروز شاہ	دہلی کے قریب ایک بستی۔ جو کوٹلہ فیروز شاہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس میں مساجد اور مدارس بھی تھے۔ جونپور، حصار اور فتح آباد کے اردگرد مضبوط فصیل اسی نے بنوائی تھی۔
۲۱	عماراتِ مغلیہ	—	—	ان عمارات کو شمار کرنا مشکل ہے۔ کوئی ورجن بھر عمارات تو ضلع اٹک ہی میں ہیں۔

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				مثلاً : قلعۂ اٹک۔ اِس کے ساتھ بیگم کی سرائے۔ مشرق میں ایک مقبرہ اور سرکاری دفاتر کے کھنڈرات۔ ہٹیاں کے قریب ایک سرائے۔ حسن ابدال میں حکیم ابوالفتح اور لالہ رُخ کی قبریں۔ واہ کی بستی میں شاہجہاں کی فرودگاہ۔ ساتھ شالامار طرز کا باغ۔ اور واہ چھاؤنی میں باؤلی۔ مغلوں کی عمارات فن کی ندرت۔ صناعی کی لطافت، اور نقش ونگار کی دلفریبی میں بے مثال تھیں۔

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				چند عمارات کا ذکر:-
۲۲	محل	۱۵۲۸ء	بابرؔ (۱۵۲۶ء — ۱۵۳۰ء)	محل آگرہ میں تھا۔ نہایت حسین وجمیل۔
۲۳	ہفت ایوان	۱۵۳۸ء	ہمایوںؔ (۱۵۳۰ء — ۱۵۵۶ء)	اس محل کے سات حصے تھے۔ ہر حصہ سات ستاروں میں سے کسی ایک کی طرف منسوب تھا۔ ہمایوں کی دیگر عمارات میں سے آگرہ کی مسجد بہت مشہور ہے۔
۲۴	مقبرۂ ہمایوں	۱۵۶۵-۶۹ء	اکبرؔ (۱۵۵۶ء — ۱۶۰۶ء)	اس کا آغاز ہمایوں کی ملکہ مریم مکانی نے کیا تھا۔ لیکن تکمیل اکبر نے کی۔ سلاطینِ مغلیہ کے روضے عموماً ایک ہی شکل کے ہیں۔ یعنی باغ، نہر، فوارے۔

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				سنگِ مرمر، قیمتی پتھر، مسجد اور وسیع سبزہ زار شاہدرہ میں مقبرۂ جہانگیر اسی طرز کا ہے۔
۲۵	لال محل۔آگرہ	-	اکبر	سُرخ پتھر کا۔
۲۶	مسجد فتح پور	-	اکبر	۴۷۴ × ۵۴۴ فٹ بہت خوبصورت۔ فتح پور سیکری کی چند دیگر عمارات بھی مشہور ہیں۔ یعنی :- ❖ بیربل کا محل ❖ جودھ بائی کا محل ❖ دیوانِ خاص۔ وغیرہ
۲۷	قلعۂ الہ آباد	-	اکبر	یہ اب کھنڈر بن چکا ہے۔
۲۸	مقبرۂ اکبر	-	اکبر	یہ مقبرہ خود اکبر نے آگرہ سے پانچ میل شمال مغرب میں مقام سکندر بنوایا تھا۔

شُمار	عمارت	سالِ تعمیر	کِس نے بنوائی	ریمارکس
۲۹	جہانگیری محل	۱۶۱۶ء	جہانگیر (۱۶۰۵ء — ۱۶۲۸ء)	قلعۂ آگرہ کے اندر۔
۳۰	سرائے نُور محل۔	۱۶۱۸ء	″	جالندھر کے قریب۔
۳۱	شالامار۔ لاہور	۱۶۲۰ء	″	لاہور کے حسین ترین مقام دو ہی ہیں :- ۱ : شالامار ۲ : شاہدرہ!
۳۲	مقبرۂ اعتماد الدولہ	۱۶۲۸ء	″	اعتماد الدّولہ، ملکہ نُورجہاں کا والد تھا۔ اِس کا مقبرہ آگرہ میں ہے۔
۳۳	تاج محل	۱۶۳۱ء — ۱۶۵۲ء	شاہ جہاں (۱۶۲۸ء — ۱۶۵۸ء)	اِس پر ۲۳ برس، اور ۵۰ لاکھ دینار صَرف ہوئے۔ یہ دُنیا کی حسین ترین عمارت ہے۔ جو آج بھی اتنی ہی دِلکش ہے جتنی سوا تین سو سال

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
				پہلے تھی۔
۳۴	لال قلعہ دہلی	۱۶۳۸ء۔ ۱۶۴۸ء	شاہ جہاں	یہ آج بھی شوخ سُرخ ہے۔ اور اس کے رنگ میں کوئی فرق نہیں آیا۔
۳۵	دیوانِ خاص	۱۶۵۰ء	"	لال قلعہ کے اندر۔
۳۶	موتی مسجد	۱۶۴۸ء	"	لال قلعہ کے اندر۔
۳۷	مقبرۂ آصف خاں	۱۶۴۱ء	"	یہ شاہدرہ میں ہے۔
۳۸	مسجد وزیر خاں	۱۶۵۰ء اندازاً	علیم الدین	اسے شاہ جہاں نے پنجاب کا گورنر مقرر کیا تھا۔ یہ مسجد اسی نے بنوائی تھی۔
۳۹	رنگ محل دہلی	۱۶۴۸ء	شاہ جہاں	
۴۰	جامع مسجد دہلی	۱۶۴۸ء	"	یہ مسجد حُسن و لطافت کا شاہکار ہے۔
۴۱	جماعت خانہ	۱۶۴۹ء	"	یہ ایک مسجد نُما عمارت ہے۔ جو تاج محل کے احاطہ میں واقع ہے۔

شمار	عمارت	سالِ تعمیر	کس نے بنوائی	ریمارکس
۴۲	شاہی مسجد لاہور	۱۶۷۴ء	عالمگیر (۱۶۵۹ء–۱۷۰۷ء)	حُسن، وُسعت اور عظمت میں لاجواب۔

صُوبائی و علاقائی سِلسلوں کی عمارات

علاقائی سلاطین کے اہم سِلسلے بارہ تھے۔ جو بنگال، جون پُور، مالوہ، گجرات، دکن وغیرہ میں ۱۲۰۲ء سے ۱۶۸۷ء تک حکمران رہے۔ اِس طویل عرصے (۴۸۵ سال) میں اِن لوگوں نے اِتنی عمارات بنائیں، کہ انھیں شمار کرنے کے لیے ایک عُمر چاہیئے۔ پھر اِن تفاصیل سے فنِ تعمیر کے ایک طالب العلم کو تو دِلچسپی ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک عام قاری کو نہیں۔ اِس لیے مَیں اِس بحث کو یہیں ختم کرتا ہُوں۔

خطاطی

خط میں حسن و خوشنمائی خالص مسلمانوں کا حصہ ہے۔ اس میں کوئی اور قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ لوگ اس فن کے اس قدر گرویدہ رہے ہیں کہ سلطان ابراہیم غزنوی (۱۰۵۹ء — ۱۰۹۹ء)، ناصر الدین مملوک (۱۲۴۶ء — ۱۲۶۵ء) اور عالمگیر (۱۶۵۹ء — ۱۷۰۷ء) جیسے کئی بادشاہ قرآن لکھ کر ثواب بھی کماتے تھے اور خطاطوں کا مقابلہ بھی کرتے تھے۔ سلطان ابراہیم ہر سال ایک قرآن لکھ کر بیت اللہ میں رکھوا تا تھا۔

(آرنلڈ :- نقاشی اسلام میں ص۱)

محمد بن محمود الآملی کا قول ہے :-

"خطاطی روحانی جیومیٹری ہے۔ یہ اُن لوگوں کی زبان ہے جو مر چکے ہیں۔ اور یہ ایک ایسی خوشبو ہے، جسے صرف روح سونگھ سکتی ہے۔"

(نفائس الفنون - بحوالہ آرنلڈ
نقاشی اسلام میں — ص۲)

ہمارے ہاں خطاط ہر زمانے میں موجود تھے۔ ہماری کوئی پرانی یا نئی مسجد، قبر یا یادگار ایسی نہیں، جو آیات و اشعار سے آراستہ نہ ہو۔

اگر آپ ہماری نئی مساجد کو دیکھیں۔ تاج کمپنی لاہور کے قرآن شریف۔ کلامِ غالب و حافظ کے خاص نسخے ملاحظہ فرمائیں، تو آپ کو یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ ہمارے آج کے پرویں رقم، نفیس رقم اور اعجاز نگار پُرانے خطاطوں سے کسی طرح کم نہیں۔

اِن خطاطوں کی تعداد اِتنی زیادہ ہے کہ اِنھیں ضبط کرنا میری ہمت سے باہر ہے۔ اِس لیے چند ناموں پہ اکتفا کرتا ہوں :-

شمار	نام	وطن	سالِ وفات (ہجری)	ریمارکس
۱	فضل بن سہل	بغداد	۲۰۳ھ	عالم و سیاستدان مامون کا وزیر۔
۲	ابراہیم بن عباس الصّولی	مصر	۲۴۳ھ	"اَدَبُ الکتّاب" کا مصنّف
۳	علی بن محمد بن خلال الورّاق۔	بغداد	۲۸۲ھ	
۴	احمد بن ابی خالد	بغداد	۳۱۰ھ	کاتبِ مامون
۵	ابنِ مقلہ :- ابو علی محمد بن علی بن مقلہ۔	بغداد	۳۲۸ھ	مقتدر، قاہر اور راضی کا وزیر رہا۔ یہ ایک عظیم خطاط بھی تھا۔

شمار	نام	وطن	سال وفات (ہجری)	ریمارکس
۶	ابو عبداللہ محمد اسماعیل زُنجی۔	نیشاپور	۳۵۳ھ	زُنج نیشاپور کا ایک قریہ ہے۔ (قاموس)
۷	قاضی القضاۃ حسین بن محمد بن عبدالوہاب الشریف۔		۳۷۲ھ	
۸	محمد بن عمران المرزبان	-	۳۸۴ھ	اس کا لقب الکاتب البلیغ تھا۔
۹	ابن بوّاب ــ علی بن ہلال	بغداد	۴۲۳ھ	-
۱۰	جمال الدین یاقوت مستعصمی	بغداد	۶۹۶ھ	لقب:- امام الننسخ
۱۱	عبداللہ الصیرفی	-	۷۲۸ھ - زندہ	اس کا لکھا ہوا ایک قرآن مجید بوسٹن کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔
۱۲	عبداللہ بن احمد	مراغہ (آذربائیجان)	۷۳۸ھ - زندہ	

شمار	نام	وطن	سالِ وفات (ہجری)	ریمارکس
۱۳	سُلطان علی مشہدی	مشہد	۹۰۵ھ-زندہ	اِس نے میر علی شیر نوائی کا دیوان لکھا تھا۔
۱۴	معین الدّین فراہی	خراسان	۹۰۷ھ	فراہ سیستان کا ایک گاؤں ہے یہ وہاں پیدا ہوا تھا۔ لیکن بعد میں خراسان چلا گیا۔
۱۵	سُلطان علی	مشہد	۹۱۹ھ	اس کے چند شاگرد۔ مثلاً :۔ سُلطان محمد نوا، علاءُ الدّین عبدی نیشاپوری وغیرہ۔ بہت مشہور ہوئے۔
۱۶	زین الدّین دانا	-	۹۲۵ھ	یہ بھی — سُلطان علی کا شاگرد تھا۔

شمار	نام	وطن	سالِ وفات (ہجری)	ریمارکس
۱۷	سلطان محمد - نور	تبریز میں قیام	۹۲۹ھ - زندہ	صفوی دربار کا خطاط - جس نے ۹۲۹ھ میں خمسہ نظامی لکھا۔
۱۸	مولانا میر علی	ہرات	۹۳۰ھ - زندہ	
۱۹	شاہ محمود	نیشاپور	۹۴۴ - زندہ	اس کا لکھا ہوا خمسہ نظامی برطانوی میوزیم میں موجود ہے۔

خطاطی کے متعلق مآخذ :-

۱ : ایم-ایس-ڈیمنڈ۔ "مسلم آرٹس" اردو ترجمہ از ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ - طبع لاہور، ۱۹۶۴ء

۲ : آرنلڈ — پینٹنگ اِن اسلام -

۳ : ابوحیان توحیدی — علم الکتابۃ - اردو ترجمہ :- ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی - طبع لاہور - ۱۹۶۶ء -

حرفِ آخر

تو یہ تھی ہماری تہذیب کی داستانِ جلیل - جس کا آغاز تو ۶۲۰ء

میں ہُوا تھا۔ لیکن اِنتہا نہ جانے کہاں ہو ؛ قوموں کے اجتماعی عمل سے تین چیزیں متاثر ہوتی ہیں۔ تاریخ، تقدیر اور مذہب۔ کوئی زمانہ تھا کہ کسی قوم کی تہذیب کو ایک مُعیّن ہیئت اِختیار کرنے کے لیے صدیاں درکار ہوتی تھیں، اور آج چند سال لگتے ہیں۔ آج کے وسائل آمد و رفت نے زمین کو ایک بستی بنا دیا ہے۔ جس میں جاپان برطانیہ کا ہمسایہ معلوم ہوتا ہے۔ اِس بستی پر آواز کی ہزاروں طاقتور لہریں (ریڈیو) یُورش کر رہی ہیں۔ ہر طرف سے فکرِ جدید کی آندھیاں اُٹھ رہی ہیں۔ اخبارات، رسائل اور نو بہ نو کتابوں کی وُہ یلغار ہے کہ خدا کی پناہ۔ اِس تصادُم، فشار اور کشاکش سے ہماری تہذیب تیزی سے بدل رہی ہے۔ کل اِس کی صُورت کیا ہو گی ؛ اللہ ہی جانے۔ ہمارا فرض عمل اور جد و جہد ہے۔

بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر ، طلسمِ زمان و مکاں توڑ کر
جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمُود کہ خالی نہیں ہے ضمیرِ وجُود
ہر اِک مُنتظِر تیری یلغار کا تری شوخیٔ فکر و کردار کا
تجھے کیا بتاؤں تری سرنوشت تو ہے فاتحِ عالمِ خوب و زشت

وَآخِرُ دَعْوانا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعالَمِیْن

مآخذ

	کتاب	مصنف
۱	مُرُوجُ الذہب	ابوالحسن علی بن حُسین۔ اَلمسعُودی
۲	النّقودُ الاِسْلامیہ	مُقریزی۔ تقی الدّین احمد بن علی بن عبدالقادر مصری۔
۳	اَلخطَطُ والآثار	ایضاً
۴	نفحُ الطّیب	اَلمقرّی۔ احمد بن محمد التِّلمسانی۔
۵	شرائعُ الاسلام	جعفر بن سعید الحلّی۔
۶	معجم البلدان	یاقوتؔ حَموی۔
۷	کتاب المحاسن	جاحظ : عمرو بن بحر البصری
۸	اخبارُ ابی نُواس	ابن منظور مصری۔
۹	مناقبُ عمر بن عبدالعزیز	ابن الجوزی۔
۱۰	علم الکتابۃ	ابُوحیّان التّوحیدی۔
۱۱	راحۃُ الصُّدُور	ابُوالحُسین احمد بن یحیٰی الرّاوندی۔
۱۲	حبیبُ السِیَر	خُوندمیر۔
۱۳	مطلع السّعدین	عبدالرزّاق سمرقندی۔
۱۴	تذکرۃُ الاولیاء	شیخ فریدالدّین عطّار۔
۱۵	تذکرۃُ الشُّعراء	دولت شاہ سمرقندی۔

۱۶ : تزکِ بابری — بابر - ظہیر الدین -

۱۷ : تاریخِ عالم آرائے عباسی — سکندر منشی -

۱۸ : تاریخِ رشیدی — محمد حیدر مرزا دوغلات -

۱۹ : چہار مقالہ — نظامی عروضی -

۲۰ : آئینِ اکبری — ابو الفضل -

۲۱ : قوانینِ خطوط — محمود بن محمد - تدوین : ڈاکٹر عبداللہ چغتائی لاہوری (۱۹۶۹ء)

۲۲ : صبحِ گلشن — سید علی حسن خان بھوپالی -

۲۳ : تاریخِ افکار و علومِ اسلامی — راغب طباخ حلبی - اردو ترجمہ از :- افتخار احمد بلخی -

۲۴ : اسلامی تہذیب — محمد مارماڈیوک پکتھال - اردو ترجمہ، از : فیروز سنز لاہور -

۲۵ : مسلم ثقافت ہند میں — مولانا عبدالمجید سالک -

۲۶ : تشکیلِ انسانیت — بریفالٹ - اردو ترجمہ از : مولانا عبدالمجید سالک -

۲۷ : تمدنِ عرب — موسیو لیبان - اردو ترجمہ از : سید علی بلگرامی -

۲۸ : فرماں روایانِ اسلام — لین پول - اردو ترجمہ از : مصنف -

نمبر	کتاب	مصنف
۲۹	معرکۂ مذہب وسائنس	ڈاکٹر ڈریپر۔ اُردو ترجمہ از:- مولانا ظفر علی خان۔
۳۰	سُر سنگیت	عنایت ملک ایم-اے و خالد محمود بی-اے۔
۳۱	اسلام اور موسیقی	سید محمد جعفر شاہ پھلواروی۔
۳۲	تاریخ اسلامی مصوری	ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی۔
۳۳	دائرۂ معارفِ اسلامیہ	پنجاب یونیورسٹی۔
۳۴	الندوۃ العالمیۃ	ایضاً
۳۵	مرأۃ السالکین	از:- مولانا امام الدین گجراتی۔
۳۶	دی ری نے سنس آف اسلام۔	صلاح الدین خدا بخش۔
۳۷	پینٹنگ ان پاکستان۔	حکومتِ پاکستان۔
۳۸	لیگیسی آف اسرائیل	پروفیسر اے گلامی (GUILLAUMI)
۳۹	لیگیسی آف اسلام	آرنلڈ۔
۴۰	ڈیفینیشن آف کلچر	ٹی-ایس-ایلیٹ۔

۴۱ : مُسلم آرکی ٹیکچر	شیخ احمد لاہوری۔
۴۲ : اِنڈین لائبریریز	وی۔سی۔سکاٹ۔
۴۳ : ہسٹری آف اِنڈیا۔	ایچ۔ایم۔ایلیٹ۔
۴۴ : ٹریولز اِن دی مغل امپائر۔	برنیئر۔
۴۵ : ٹریولز اِن دی ویرئیس کنٹریز آف دی ایسٹ	سَر ولیم آشلے

120,000
895 0 20
250 000

1250 20

ہماری عظیم تہذیب

ڈاکٹر غلام جیلانی برق